جولائی - ستمبر ۲۰۲۲ء

ISSN: 2321-8339

ادارہ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

دورِ خلفائے راشدین میں شوریٰ کا نظام

سید جلال الدین عمری

ماحول کا تحفظ - اسلامی تناظر میں

ڈاکٹر عبدالمنان چیمہ

اسلام اور گاندھی جی کے افکار

ڈاکٹر محمد اسامہ

اسلام کے کلاسیکی سیاسی افکار اور جدید مطالعات

پروفیسر عبیداللہ فہد فلاحی

قرآن مجید کے بعض انگریزی تراجم

ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری

تعارف وتبصرہ

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام وجاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدّد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق، اسلام۔بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔امامِ انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد غیمم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیامِ امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔۲۵

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

جولائی ———— ستمبر ۲۰۲۲ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی **تحقیقات اسلامی** علی گڑھ

جلد: ۴۱ شمارہ: ۳

ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ ـــــــ صفر ۱۴۴۴ھ

جولائی ـــــــ ستمبر ۲۰۲۲ء

- مجلّہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر اپ لوڈ کردیے گئے ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:
- موبائل: +91-9897746586
- ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.com
- اکاؤنٹ نمبر: Tahqeeqat-e-Islami, Union Bank of India: Muslim University, Aligarh A/. No. 452201010029001, IFSC, UBIN0545228

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۵۰ روپے
سالانہ	۲۰۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۸۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں و ادارے)	۳۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۵/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰/امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۳۰/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۵/امریکی ڈالر

طابع و ناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفیسٹ دہلی۔۶ سے چھپوا کر ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

حرف آغاز

دورِ خلفائے راشدین میں شوریٰ کا نظام — سید جلال الدین عمری — ۵

تحقیق وتنقید

ماحول کا تحفظ - اسلامی تناظر میں — جناب عبدالمنان چیمہ — ۲۳

اسلام اور گاندھی جی کے افکار — ڈاکٹر محمد اسامہ — ۴۷

بحث ونظر

اسلام کے کلاسیکی سیاسی افکار اور جدید مطالعات — پروفیسر عبیداللہ فہد فلاحی — ۶۹

نقد واستدراک

قرآن مجید کے بعض انگریزی تراجم — ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری — ۹۱

رپورٹ سمینار

قرآن اور سائنس: قُرب وبُعد کے پہلو — مولانا محمد صادر ندوی — ۱۱۳

تعارف وتبصرہ

اوراقِ سیرت (جدید ایڈیشن) — پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی — ۱۱۷

خبرنامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۸۴) — ادارہ — ۱۲۰

مضامین کا انگریزی خلاصہ — ۱۲۱ – ۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱- جناب عبدالمنان چیمہ

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اسلامی وعربی علوم، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا، پاکستان

abdulmanan522@gmail.com

۲- ڈاکٹر محمد اسامہ

شاہین باغ، جامعہ نگر نئی دہلی

Usama9911@gmail.com

۳- پروفیسر عبیداللہ فہد فلاحی

سابق چیئرمین، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

fahad.is@amu.ac.in

۴- ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علومِ اسلامیہ، جی سی یونی ورسٹی، لاہور (پاکستان)

khurshidahmadgcu@gmail.com

۵- مولانا محمد صادر ندوی

اسکالر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

sadiralam943@gmail.com

۶- پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی

سابق پروفیسر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

zafarul.islam@gmail.com

۷- سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

دورِ خلفائے راشدین میں شوریٰ کا نظام

سید جلال الدین عمری

رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ مبارک سے آگاہی کے بعد آیئے خلفائے راشدین کے اسوہ کا مطالعہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ ان کا کیا طریقۂ کار رہا ہے؟ کیوں کہ ایک مسلمان کے نزدیک نبی ﷺ کے دورِ مسعود کے بعد یہی دور مثالی اور قابل تقلید ہے۔ اس کا تعلق عقیدت ہی سے نہیں، اس حقیقت سے بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب آپ کے اولین مخاطب تھے۔ انہیں آپ کی تعلیمات اور ان کے منشا ومقصد کا بہتر فہم حاصل تھا۔ انہوں نے آپ کے عمل اور طریقۂ کار کو دیکھا اور اسے اختیار کیا۔ اس میں خلفاء راشدین کا دور بعد کے ادوار سے کئی پہلوؤں سے ممتاز ہے۔ اس لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس دور میں شوریٰ پر کس طرح عمل ہوا اور اس کا کیا نظام رہا؟ مشہور تابعی میمون بن مہرانؒ کہتے ہیں:

كان أبو بكر اذا ورد عليه الخصمُ نظر فى كتاب الله فان وجد فيه مايقضى بينهم قضى به، وان لم يكن فى كتاب الله وعلم من رسول اللهؐ فى ذلك الأمرسنة قضىٰ به، فان أعياه خرج فسأل المسلمين وقال أتانى كذا وكذا فهل علمتم ان رسول الله قضى فى ذلك بقضاء،

حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو آپ پہلے کتاب اللہ میں اس کا حل تلاش کرتے۔ اگر وہاں اس کا حل مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے، لیکن اگر کتاب اللہ میں کوئی حل نہ ملتا اور اس مسئلہ میں آپ کو کسی سنت کا علم ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اگر اس سلسلہ میں آپ کو کسی ہدایت کا علم نہ ہوتا تو باہر نکلتے، صحابہ سے دریافت کرتے کہ فلاں مسئلہ پیش آیا ہے، کیا تمہارے علم میں اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول کا کوئی فیصلہ ہے؟

فربَّما اجتمع اليه النفر كلهم يذكر من رسول الله فيه قضاءً فيقول ابوبكر الحمدلله الذى جعل فينا من يحفظ على نبينا فان اعياه ان يجد فيه سنة من رسول الله جمع رؤساء الناس و خيارهم فاستشارهم فاذا اجتمع رأيهم على امر قضى به و كان عمر يفعل ذلك و اذا اعياه ان يجد ذلك فى الكتاب و السنة سال هل كان ابوبكر قضى فيه بقضاء فان كان لابى بكرٍ قضاء قضى به و الا جمع علماء الناس و استشارهم، فاذااجمع رأيهم على شيء قضىٰ به۔[1]

بسااوقات صحابہ کی ایک جماعت نبی ﷺ کی کوئی سنت بیان کرتی، جس سے آپ خوش ہوکر فرماتے: اللہ کا شکر ہے کہ ہم میں اب تک رسول اللہ کی سنت کو یاد رکھنے والے موجود ہیں، لیکن اگر آپ کو اس طریقے سے بھی کسی سنت کا علم نہ ہوتا تو قوم کے نمائندوں اور ان کے اخیار کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور ان کی متفقہ رائے سے فیصلہ فرماتے۔ حضرت عمرؓ کی بھی یہی روش رہی۔ حضرت عمرؓ کو جب کسی مسئلہ کا حل کتاب وسنت میں نہ ملتا تو صحابہ سے حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ دریافت فرماتے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے، ورنہ اربابِ علم کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے اور جب اہلِ علم کسی نتیجے پر متفق ہوجاتے تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔

یہ سرداران قوم اور خیارِ امت غیر معروف اور غیر متعین نہ تھے، بلکہ متعین اور مخصوص افراد تھے، جن سے عوام بخوبی واقف ہوتے۔ ایسا نہیں تھا کہ خلیفہ جسے چاہتا طلب کر لیتا اور اس سے مشورہ کر کے حسب منشا فیصلہ کر دیتا ہو۔ علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں:

> ''خلفائے راشدین اور ان کے عادل جج، قوم کے سرداروں، دینی بصیرت رکھنے والوں اور اہلِ علم و رائے سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہی 'اولوالامر' ہیں۔ بس انہیں وہ ضرورت کے وقت طلب کر لیتے۔''[2]

تاریخ نے کسی حد تک ان ارباب علم اور سرداران قوم کے نام محفوظ رکھے ہیں، جن پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر ہم ان کی سیاسی حیثیت سے واقف ہو سکتے ہیں۔

قاسمؒ (بن محمد بن ابی بکر الصدیق) کہتے ہیں: ''حضرت ابوبکرؓ کے سامنے کوئی

۱۔ سنن دارمی: المقدمۃ، باب ۲۰، الفتیا وما فیھا عن الشدۃ ص ۲۰۔ السنن الکبریٰ: ج ۱۰، ص ۱۱۵۔ اعلام الموقعین: ج ۱، ص ۵۱، ۵۲۔ بحوالہ کتاب القضاء لابی عبید۔ ۲۔ تفسیر المنار: ج ۵، ص ۱۵۷

ایسا اہم معاملہ پیش ہوتا جس میں اہل الرائے اور ارباب فقہ و بصیرت سے مشورہ کرنے کی ضرورت پڑتی تو مہاجرین وانصار کے منتخب لوگوں کو مدعو کرتے، جن میں عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جیسے لوگ شامل ہوتے۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے زمانے میں مختلف مسائل میں مرجع انام سمجھے جاتے تھے۔ یہی طریقہ حضرت عمرؓ کا بھی رہا۔''[۱]

انصار میں جن اصحاب سے مشورہ ہوتا ان میں اسید بن حضیر کا نام نمایاں ہے:

كان أبو بكر لا يقدم احداً من الأنصار على أسيد بن حضير[۲]

علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کے دور میں حضرت ابوبکرؓ کی جو پوزیشن تھی وہی پوزیشن حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں حاصل تھی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کو یہی مقام حاصل تھا۔[۳]

ابن سعد نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ کسی ایسے پیچیدہ مسئلہ سے پناہ مانگتے تھے جس میں حضرت علیؓ انہیں مشورہ دینے کے لیے شریک نہ ہوسکتے ہوں۔[۴]

آں حضرت کے عم محترم حضرت عباسؓ کو زمانۂ اسلام اور قبل اسلام میں جو مقام حاصل رہا ہے وہ بالکل آشکارا ہے۔ اس سردار قوم کو فاروقی دور سیاست میں جو حیثیت حاصل تھی اس کا اندازہ ایک تاریخی بیان سے کیجیے:

وكان عمر اذا استشار احداً لايبرم أمراً حتى يشاور العباس۔[۵]

حضرت عمرؓ کسی سے مشورہ کرتے تو حضرت عباسؓ سے مشورہ کے بعد ہی اسے آخری شکل دیتے۔

حضرت عمرؓ کو جب کوئی پیچیدہ مسئلہ درپیش ہوتا تو عبداللہ بن عباسؓ سے فرماتے کہ اس قسم کے مشکل مسائل کا حل کرنا تمہارا ہی حق ہے۔[۶]

۱۔ کنز العمال: ج ۳، ص ۱۳۴ ۲۔ مقدمۃ ابن خلدون، ج ۱۲، ص ۴۹

۳۔ مقدمہ ابن خلدون: ص ۲۰۶۔ ۴۔ فتح الباری: ج ۱۳، ص ۲۶۳

۵۔ البدایہ والنہایۃ: ج ۷، ص ۱۰۷۔ **عن عثمان بن محمد الاخنسی و اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص قالا: ماأدر کنا أحداً من الناس الا وهو يقدّم العباس بن عبدالمطلب فی العقل فی الجاهلية و الاسلام**۔ طبقات ۴/۲۸۔ ۶۔ اعلام الموقعین: ج ۱، ص ۱۴

ابن قتیبہؒ کہتے ہیں:

کان استوزرہ۔ا انہیں وزیر کی حیثیت دے رکھی تھی۔

دورِ صحابہ کے مشہور عالم قرآن حضرت ابی بن کعبؓ کے تذکرہ میں علامہ حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

وکان یسأله عن النوازل ویتحاکم الیه فی المعضلات۔۲ حضرت عمرؓ ابی بن کعبؓ سے پیش آمدہ مسائل میں حل دریافت فرماتے اور مشکلات میں انہیں حکم بناتے۔

مالک بن اوس الحدثان البصری کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عریف یعنی اپنی قوم کا سردار تھا۔۳

امام ابن تیمیہؒ حضرت عمرؓ کی سیاست کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

فان عمر بن الخطاب کان کثیر المشاورة فیمالم یتبین فیه أمر الله ورسوله۔۴ جن معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم واضح نہیں ہوتا ان میں حضرت عمرؓ کثرت سے مشورہ کرتے تھے۔

مصر کے جدید مشہور مؤرخ محمد حسین ہیکل اور واضح الفاظ میں تصریح کرتے ہیں:

فجعل الشوریٰ اساس حکمه۔۵ حضرت عمر نے اپنی سیاست کی بنیاد شوریٰ پر قائم کی تھی۔

امام شعبیؒ نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے: ''جس شخص کو مسائل میں قولِ محکم کی خواہش ہوا سے حضرت عمرؓ کے فیصلوں کو اختیار کرنا چاہیے۔ کیوں کہ آپ صحابہ کے مشورے سے فیصلہ فرماتے تھے۔''۶

حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی اجتماعی پالیسی کو ہم نے قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے امت کو خاص طور پر ان بزرگوں کی اتباع اور اقتدا کا حکم دیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

۱۔ الامامة والسیاسة: ج۱، ص۵۲
۲۔ الاصابة فی تمیز الصحابة: ج۱، ص۱۹
۳۔ کنز العمال: ج۳، ص۱۷۲
۴۔ منہاج السنة: ۳، ص۱۶۲۔۱۶۳
۵۔ الفاروق: ج۲، ص۲۰۸
۶۔ السنن الکبریٰ: ۱۰، ص۱۰۹

اقتدوا بالذين من بعدى أبى بكر وعمر[۱]	میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتدا کرو۔

سید امیر علی پورے دورِ خلفائے راشدین پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

''خلیفہ ملکی معاملات کو مدینہ کے سربراہ کار، اکابر صحابہ اور روساء قبائل کی مجلس میں پیش کرتا، جو کہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ خلیفہ اس مجلس سے مشورہ کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ اسلام کا ابتدائی تیس سالہ نظامِ حکومت آج کل کے جمہوری نظام سے قریب تر تھا۔''[۲]

خلفائے راشدین کے بعد اسلامی سلطنت کا شورائی مزاج مجروح ہوتا چلا گیا اور آمریت کا رنگ غالب ہونے لگا۔ اسی میں ایک مختصر مدت کے لیے زمامِ اقتدار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں میں آئی۔ انہوں نے مملکت کو آمریت کی آلائشوں سے پاک صاف کر کے اسلامی نقاط پر استوار کیا۔ اس مجدّدِ خلافت کے متعلق مغیرہؒ کہتے ہیں:

كان لعمر بن عبدالعزيز سمار يستشيرهم فى مايرفع اليه من أمور الناس[۳]	حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے کچھ مشیر تھے، جن سے آپ لوگوں کے پیش کردہ معاملات میں مشورہ کرتے تھے۔

ان واضح تصریحات وبیانات کے بعد آیئے تاریخ کے اوراق میں ان کی شہادتیں تلاش کی جائیں اور واقعات کی دنیا میں ان کا وزن دریافت کیا جائے۔

انتخابِ امیر

اسلامی ریاست میں امیر مملکت کے انتخاب کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔ اس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہاں آمریت کی کارفرمائی ہے، یا عوام کی آزادی اور حریت فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، اگر کوئی شخص عوام اور ان کے نمائندوں کے ذریعہ سے منصب امارت پر پہنچتا ہے تو یہ جمہوریت اور عوام کی آزادی کی دلیل ہے اور اس امر کی ضمانت ہے کہ اصل طاقت عوام کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جب کسی کو اپنا خیر خواہ اور مملکت

۱۔ ترمذی: ۳۸۰۵ ۲۔ تاریخ الاسلام السیاسی: ج۱، ص۵۷۰، تالیف ڈاکٹر محمد حسن۔
۳۔ السنن الکبریٰ: ۱۰، ص۱۱۰

کے اغراض ومقاصد کی تکمیل کی صلاحیت رکھنے والا پائیں گے تو اپنا امیر اور حاکم منتخب کریں گے اور جب انہیں اس امر کا یقین ہوجائے گا کہ ان کا منتخب کردہ امیر مملکت کے اغراض ومقاصد کی تکمیل سے قاصر ہے تو انہیں یہ حق بھی ملنا چاہیے کہ اپنے عطا کردہ اختیارات اس سے سلب کرلیں۔علامہ ابن خلدون صدر مملکت کے انتخاب کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں:

''خلیفہ کا انتخاب صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے اور اس کا اختیار قوم کے اہل حل وعقد کو ہے۔اگر اہل حل وعقد کسی کو امیر منتخب کرلیں تو جمہور امت پر اس کی اطاعت لازم ہوجاتی ہے۔''[1]

اہل حل وعقد کے کرنے کا کیا کام ہے؟اور وہ کس شخص کو خلیفہ مقرر کریں گے؟ اس کی تصریح علامہ ماوردیؒ نے اس طرح کی ہے:

فاذا اجتمع أهل العقد والحلّ للاختيار تفصّحوا أحوال أهل الامامة الموجودة فيهم شروطها فقدموا للبيعة منهم أكثرهم فضلاً واكملهم شروطاً ومن يسرع الناس الى طاعته ولا يتوقفون عن بيعته فاذا تعيّن لهم من بين الجماعة من أداهم الاجتهاد الى الاختيار عرضوها عليه فان أجاب اليها بايعوه عليها والنعقد بيعتهم له فلزم كافة الأمة الدخول فى بيعته والانقياد بطاعته۔[2]

جب اہل حل وعقد امیر کے انتخاب کے لیے جمع ہوں گے تو ان اشخاص کے حالات پر غور کریں گے جن میں امامت کی شرطیں پائی جاتی ہیں اور وہ بیعت کے لیے اس شخص کو آگے بڑھائیں گے جو ان میں سب سے افضل ہو اور جس میں امامت کی شرائط بدرجۂ اتم پائی جاتی ہوں اور یہ کہ لوگ کس کی طرف تیز گامی دکھائیں گے اور اس کی بیعت کے لیے پس وپیش نہیں کریں گے۔اور جب ان کی تحقیق واجتہاد ان میں سے کسی ایک کو چن لے تو منصب امامت اس شخص کے سامنے پیش کریں گے۔اگر وہ اسے قبول کرلے تو وہ سب اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور ان کی بیعت اس شخص کے لیے منعقد ہوجائے گی اور ساری امت کے لیے اس بیعت میں داخل ہونا اور اس کی اطاعت قبول کرنا لازم ہوجائے گا۔

۱۔مقدمۂ ابن خلدون:ص ۱۶۷،فصل فی اختلاف الامۃ فی حکم ہذا المنصب۔شیعہ حضرات کے نزدیک خلیفہ کا تقرر صحابہ کے اجماع سے نہیں، بلکہ نص سے ثابت ہے۔ ۲۔الاحکام السلطانیۃ:ص ۵

اسی کی روشنی میں خلفائے راشدین کے انتخاب کی تفصیل یہاں پیش کی جارہی ہے۔

خلفائے راشدین کے انتخاب کے سلسلہ میں اتنی بات تو اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی انتخاب نبی ﷺ نے نہیں فرمایا[۱] اور نہ اس انتخاب میں قرابت رسول اور خاندانی تعلق کو کوئی دخل تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب

آں حضرت ﷺ کے انتقال کے بعد انصار مدینہ کو اپنی دینی خدمات اور قربانیوں کی بنا پر خیال ہوا کہ خلیفہ انہی میں سے ہونا چاہیے اور یہ خیال بالکل فطری تھا۔ اس لیے کہ کسی زندہ تحریک کی وہی لوگ قیادت کرتے ہیں جو اپنی فداکاریوں اور جاں نثاریوں سے تحریک کے ماننے والوں میں بلند مقام کے حامل ہوتے ہیں۔

اس وقت قدرتی طور پر انصار کی نگاہیں اپنے سردار سعد بن عبادہؓ کی طرف اٹھیں اور وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کے لیے آمادہ ہوگئے۔ اسی دوران میں اس کی اطلاع مہاجرین کے نمائندوں کو ملی، جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ فوراً یہ اکابر امت سقیفۂ بنی ساعدہ (جہاں انصار سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ پر بیعت کے لیے مجتمع تھے) پہنچے اور انھوں نے ملک کے سیاسی حالات کو انصار کے رؤ برو واضح کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر انصار سے خطاب کرکے جو تقریر کی اس کے چند جملے یہ ہیں:

ماذکرتم فیکم من خیر فأنتم له أهل، ولن یعرف هذا الأمر الا لهذا الحیّ من قریش۔[۲]

جو کچھ تم نے اپنی خیر وخوبی کا ذکر کیا یقیناً تم لوگ اس کے مستحق ہو، لیکن اہلِ عرب سوائے قریش کی قیادت کے کسی اور کی قیادت سے واقف نہیں ہیں، اس لیے وہ کسی دوسرے قبیلہ کی سرداری پر مطمئن نہیں ہوسکتے۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ ووفاتہ۔ واستخلفه (ای أبابکر) رسول اللہؐ علی أمته من بعده بما أظهر من الدلائل البینة. علی محبته فی ذلک وبالتعریض الذی یقوم مقام التصریح ولم یصرح بذلک لأنه لم یؤمر فیه بشئ وکان لایصنع شیأ فی دین الله الابوحی، والخلافة رکن من أرکان الدین. الاستیعاب لابن عبدالبر: ج۲، ص۲۴۹

۲۔ صحیح بخاری، باب رجم الحبلی من الزنی اذا احصنت

اس کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ کا نام پیش کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی اس تقریر سے انصار کے زیرک اصحاب کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ حضرت ابوبکرؓ کی ہم نوائی کرنے لگے۔ چنانچہ اس گروہ کے مشہور صحابی حضرت زید بن ثابتؓ نے خطاب کیا: ''کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ رسول اکرم ﷺ مہاجرین میں سے تھے، لہٰذا مہاجرین کی قیادت ہی سے عرب مطمئن ہوسکتے ہیں۔ اس لیے خلیفہ کسی مہاجر ہی کو ہونا چاہیے۔ جس طرح آج سے پہلے ہم آں حضرت ﷺ کے مددگار و معاون رہے اسی طرح خلیفۂ رسول کے بھی دست و بازو بنے رہیں گے۔''[۱]

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت اور آپ کے دینی شرف وعزیمت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ یہ وہ شخص ہے جسے آں حضرتؐ نے نماز جیسے اہم فرض کی امامت کے لیے آگے بڑھایا تھا، پس کیا جس شخص کو نبی نے مقدم کیا تھا اس سے آگے بڑھنے کی تم میں سے کسی کی خواہش ہے؟ یہ سن کر انصار بہ یک وقت آواز بول اُٹھے: ابوبکرؓ سے آگے بڑھنے سے ہم پناہ مانگتے ہیں۔[۲]

چنانچہ اس کے بعد انصار و مہاجرین کے جتنے نمائندے وہاں موجود تھے، آگے بڑھ کر سب کے سب حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ دوسرے دن حضرت ابوبکرؓ مسجد نبوی میں تشریف لے آئے اور حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں آپ کی دینی خدمات کا ذکر جمیل کیا، جس کے بعد بقیہ تمام مہاجرین وانصار نے بھی بیعت کی۔ اس طرح بیعتِ عمومی تکمیل پائی۔[۳]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس خیال سے کہ خلیفہ کے انتخاب میں ان سے مشورہ نہیں کیا گیا، کئی ماہ تک بیعت نہیں کی تھی، لیکن اس کے خلاف بھی متعدد روایات ملتی ہیں، جو حقیقتِ حال سے زیادہ مطابقت رکھتی ہیں۔ چنانچہ حاکمؒ،

۱۔ مستدرک حاکم: ج۳، ص۷۶۔ تاریخ الخلفاء: ص۴۷، بحوالۂ ابن سعد، بیہقی

۲۔ مسند احمد: حدیث نمبر۱۳۳۔ حاکم: ج۳، ص۶۷۔ تاریخ الخلفاء: ص۴۶، بحوالۂ نسائی، ابویعلیٰ

۳۔ صحیح بخاری: کتاب الاحکام، باب الاستخلاف

ابن سعدؒ اور بیہقیؒ نے بیان کیا ہے کہ بیعت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جس وقت خطبہ دیا تو دیکھا کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ نظر نہیں آ رہے ہیں۔ آپ نے دونوں بزرگوں کو بلوایا اور کہا کہ آپ لوگ رسول خدا کے رشتہ دار ہیں، کیا آپ حضرات کی یہ خواہش ہے کہ امت میں افتراق وانتشار ہو؟ ایسا نہیں ہے تو آپ لوگوں نے بیعت کیوں نہیں کی؟ یہ سن کر دونوں حضرات نے پیش قدمی کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔[۱] یہی نہیں، بلکہ متعدد روایات اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ اور بعض دوسرے لوگوں نے حضرت علیؓ کو بیعت سے باز رکھنے کی سعی کی تھی لیکن حضرت علیؓ نے سختی سے ابوسفیانؓ کو اس سے روک دیا اور کہا کہ اس قسم کی باتیں امت کے افتراق کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔[۲]

ابن سعدؒ نے حضرت علیؓ کا اس سے واضح بیان نقل کیا ہے: **قال علی: لما قبض النبی نظرنا فی أمرنا فوجدنا النبی ﷺ قد قدّم أبابکر فی الصلوٰۃ فرضینا لدنیانا من رضی رسول اللہ لدیننا فقدمنا أبابکر۔**[۳]

عمرو بن حریث نے حضرت سعید بن زیدؓ سے دریافت کیا کہ کسی نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے انحراف کیا تھا؟ حضرت سعید نے جواب دیا: کسی نے انحراف نہیں کیا۔ ہاں وہ لوگ الگ رہے جو مرتد ہو گئے تھے یا مرتد ہونے کے قریب تھے۔ عمرو بن حریث نے دوبارہ دریافت کیا: کیا مہاجرین میں سے کسی نے بیعت سے انکار کیا تھا؟ جواب دیا: نہیں، بلکہ مہاجرین تو بلائے بغیر مسلسل ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے تھے۔[۴]

تاریخ میں صرف سعد بن عبادہؓ کا ایک نام ملتا ہے جنھوں نے اپنی وفات تک کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، حتّٰی کہ عام مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز تک

۱۔ تاریخ الخلفاء: ص ۴۷

۲۔ مستدرک حاکم ۷۸/۲ میں صحیح سند سے اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اس مفہوم کی ایک روایت ابن عبدالبر کی الاستیعاب میں حضرت ابوسفیان کے تذکرہ میں ملتی ہے۔ بحث کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: منہاج السنۃ: ج ۱، ص ۱۳۹

۳۔ طبقات ابن سعد: ج ۳، ص ۱۳۰۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: الاستیعاب: ج ۲، ص ۲۵۳۔

۴۔ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۲۰۱

نہیں پڑھتے تھے۔نظم جماعت کی پابندی پر طاقت کے ذریعے سے انہیں مجبور کرنا خلاف مصلحت تھا، اس لیے انہیں ان کے حال پر رہنے دیا گیا۔[۱]

بعض روایات سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ سعد بن عبادہؓ حضرت ابوبکرؓ کے دلائل سے مطمئن ہو چکے تھے۔ انھوں نے مہاجرین کے استحقاق خلافت کو تسلیم بھی کرلیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے دلائل کو مانتے ہوئے کہا تھا:

صدقت، فنحن الوزراء وأنتم الأمراء۔[۲] آپ نے سچ کہا۔ہم وزراء ہیں اور آپ لوگ امراء۔

امام ابن تیمیہؒ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے متعلق فرماتے ہیں:

ولا قال أحد من الصحابة أن غير أبی بكر من المهاجرين أحق بالخلافة منه، ولم ينازع أحد فی خلافته الا بعض الأنصار طبعاً فی أن يكون من الأنصار أمير ومن المهاجرين أمير. ثم الانصار جميعهم بايعوا أبابكر الا سعد بن عبادة لكونه هو الذی كان يطلب الولاية ولم يقل قط أحد من الصحابة أن فی قريش من هو احق بها من أبی بكر لامن بنی هاشم ولامن غير بنی هاشم وهذا كلّه مما يعلمه العلماء العاملون بالآثار والسنن والحديث۔[۳]

صحابہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ اور کوئی مستحق خلافت ہے۔ آپ کے خلیفہ بنائے جانے میں بعض انصار نے اس وجہ سے مخالفت کی کہ ان میں سے ایک امیر اور مہاجرین میں سے ایک امیر ہو۔ پھر سوائے سعد بن عبادہؓ کے تمام انصار نے آپ سے بیعت کی۔ چوں کہ سعد خود منصبِ امارت کے طالب تھے، اس وجہ سے وہ بیعت پر رضامند نہیں ہوئے۔ کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ قریش میں کوئی حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ خلافت کا مستحق ہے، نہ بنی ہاشم نے یہ دعویٰ کیا اور نہ غیر بنی ہاشم نے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جنہیں آثار وسنن کے تمام باعمل واقف کار بخوبی جانتے ہیں۔

۱۔الامامۃ والسیاسۃ: ج۱،ص۱۰

۲۔تاریخ طبری: ج۳،ص۱۹۹،مسند احمد حدیث نمبر۱۸۔ یہ روایت مرسل ہے۔کیوں کہ اس کے آخری راوی حمید بن عبدالرحمٰن ہیں، جو بالاتفاق تابعی ہیں۔

۳۔منہاج السنۃ: ج۱،ص۱۳۹

حضرت عمرؓ کی بیعت

حضرت عمرؓ کی بیعت کے سلسلہ میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غیر جمہوری طریقہ سے انجام پائی تھی۔ گویا خلیفۂ وقت نے اپنی دانست میں ایک شخص کو بہتر سمجھا اور اسے عوام کا خلیفہ مقرر کر دیا۔ حالاں کہ یہ واقعہ کی بالکل غلط اور تاریخی حقائق سے ہٹی ہوئی تعبیر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ امت کے امیر اور حاکم تھے۔ ان کا یہ فرض منصبی تھا کہ امت کی صلاح وفلاح پر غور کرتے۔ انھوں نے امت کے حق میں یہ بہتر سمجھا کہ اپنی زندگی ہی میں کسی افضل اور صالح ترین شخص کو اپنا جانشین مقرر کر دیا جائے، تاکہ امت اختلافات سے دوچار نہ ہو۔ لیکن یہ کام حضرت ابوبکرؓ محض اپنی مرضی سے انجام نہیں دے سکتے تھے۔ اس کے لیے امت کے نمائندوں کا اتفاق ناگزیر تھا۔ چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے حضرت عمرؓ کے بارے میں، جو امت کے سب سے برتر فرد تھے، رائے لی۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ وہ آپ کی رائے سے بھی بہت بلند ہیں، لیکن ان میں کسی قدر درشتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ صورت حال یہ نہیں ہے۔ چوں کہ وہ مجھ میں نرمی دیکھتے ہیں، اس لیے سختی کرتے ہیں، تاکہ عملِ جراحی اور مرہم پٹی کا حسین امتزاج قائم رہے اور توازن برقرار رہے۔ اس کی بیّن دلیل یہ ہے کہ بسا اوقات جب انھوں نے میرے رویہ میں سختی دیکھی تو خود موم بن گئے اور نرم پالیسی کا مشورہ دیا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت عثمانؓ سے بھی مشورہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کی پوری پوری تائید کی۔[۱] حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں بزرگوں کے علاوہ سعید بن زیدؓ، اسید بن حضیرؓ اور دیگر مہاجرین وانصار سے بھی مشورہ کیا۔[۲]

بعض لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کو ناپسند کرتے ہوئے کہا کہ عمر جیسے سخت گیر انسان کو اپنا جانشین مقرر کر کے اللہ تعالیٰ کو آپ کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے ان کے اس خیال کی بہت ہی لطیف پیرایۂ بیان میں تردید کی۔ فرمایا: میں اللہ

۱۔ تاریخ الکامل: ج ۲، ص ۱۷۸

۲۔ طبقات ابن سعد: القسم الاول: ج ۳، ص ۱۴۱

تعالیٰ کو یہ جواب دوں گا کہ میں نے امت کے افضل شخص کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔

علامہ ابن قیمؒ کی باریک بیں نگاہ اس معاملہ میں ایک اور باریکی تلاش کر لیتی ہے۔ فرماتے ہیں: ''حضرت عمرؓ کی جانشینی میں حضرت ابوبکرؓ کا صحیح قیاس کارفرما رہا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابوبکرؓ نے سوچا کہ ان کا اپنا انتخاب امت کے اربابِ حل وعقد میں شامل ہونے کی وجہ سے ہوا تھا اور عمرؓ بھی اسی طبقے میں شامل ہیں۔ لہٰذا اگر انہیں جانشین مقرر کیا جائے تو امت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔''[۱]

ان تمام اسباب کے باوجود حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے کو عوام پر بہ زورِ اقتدار مسلّط نہیں کیا، بلکہ عوام کی تائید ہی کے بعد اسے آخری اور قطعی شکل دی۔ آپ نے مرض الموت میں صحابہ کے ایک مجمع سے خطاب کر کے فرمایا:

أیھاالناس قد حضرنی من قضاء الله ماترون وانه لابدّلکم من رجل یلی أمورکم ویصلی بکم ویقاتل عدوّکم ویأمرکم، فان شئتم اجتمعتم فأتمرتم ثم ولّیتم علیکم من أردتم وان شئتم اجتهدت لکم رأیی. ووالله الذی لا الٰه الاهو لاآلو کم فی نفسی خیراً۔

لوگو، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، مجھ تک اللہ کا فیصلہ آ پہنچا ہے۔ میرے بعد تم لوگوں کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو تمہارے کاموں کا سرپرست اور نگراں ہو اور نماز میں تمہاری امامت کرے اور تمہارے دشمن کا مقابلہ کرے اور تم پر حکومت کرے۔ اگر تم چاہو تو آپس میں مشورہ سے جسے چاہو خلیفہ منتخب کر سکتے ہو اور اگر تمہاری رائے ہو تو میں کسی کو خلیفہ مقرر کرنے کی کوشش کروں۔ بخدا، میں اس سعی وجہد میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کے احساس سے حضرت ابوبکرؓ کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور آپ کے ساتھ سارا مجمع رو پڑا اور سب نے بہ یک آواز کہا:

۱۔ اعلام الموقعین: ج۱، ص۱۸۷

أنت خيرنا وأعلمنا فاختر لنا، قال ساجتهد رأيي واختار لكم خيركم ان شاء الله۔[۱]

آپ ہم میں کے بہتر اور ہم سے زیادہ واقف کار ہیں۔لہٰذا آپ اپنی صواب دید کے مطابق خلیفہ منتخب کیجیے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اچھا تو میں اس سلسلہ میں غور کروں گا اور تم میں سے بہتر شخص کو تمہارا خلیفہ مقرر کروں گا۔

ان تصریحات کی موجودگی میں اور نمائندگانِ امت کو مطمئن کر چکنے کے بعد کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ انتخاب عوام کی مرضی سے عمل میں نہیں آیا؟ اگر عوام کی مرضی مطلوب نہ ہوتی تو ابوبکرؓ کبھی یہ نہ کہتے کہ ''اگر چاہو تو تم خود اپنا حاکم مقرر کرلو۔''

حضرت عمرؓ کے تقرر پر صرف ایک اعتراض ہوسکتا تھا اور وہ یہ کہ ان کے مزاج میں سختی پائی جاتی ہے۔لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیان سے اس کی تردید کردی اور خود حضرت عمرؓ کی بھی اپنے بارے میں بالکل یہی رائے تھی۔ایک موقع پر فرماتے ہیں: دورِ رسالت میں مجھ میں جو شدت تم لوگ محسوس کرتے تھے اس کی وجہ آں حضرت کی لینت تھی۔''[۲]

یہی وجہ ہے کہ آپ کے تقرر کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ایک موقع پر عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا: ''آپ کی خلافت کے بارے میں دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔''[۳]

حضرت عثمانؓ کی بیعت

خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ کا انتخاب شورائیت کا مظہرِ اتم تھا۔جیسا کہ بار بار ذکر آچکا ہے کہ اس دور میں بارِ خلافت صرف مہاجرین قریش ہی برداشت کرسکتے تھے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے قبیلہ کے فرد پر امت کا اتفاق دشوار تھا۔حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا: ''جب تک اہل بدر سے ایک فرد بھی باقی ہے،خلافت ان ہی میں رہے گی۔

۱۔الامامۃ والسیاسۃ: ج۱،ص۱۹
۲۔مستدرک حاکم: ج۱،ص۱۲۶
۳۔کتاب الخراج: ص۷۔۸

پھر اصحابِ احد اس کے مستحق ہوں گے۔ جب تک ان میں سے ایک شخص بھی زندہ ہے، کسی دوسرے کو یہ حق نہیں مل سکتا۔ اس کے بعد حسب مراتب لوگ اس ذمہ داری کے اہل قرار پائیں گے۔ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا۔[۱] یعنی قوم خلافت کے سلسلہ میں لوگوں کی قربانیوں اور اسلام سے ان کے دیرینہ تعلق کو دیکھے گی، بلا استحقاق کوئی شخص اس عظیم منصب کا اہل نہیں قرار پاسکتا۔

حضرت عمرؓ سے ان کے آخری لمحاتِ حیات میں صحابہ کرام نے درخواست کی کہ آپ اپنا جانشین مقرر کر جایئے۔[۲] حضرت عمرؓ کی نگاہ میں حضرت علیؓ کی شخصیت اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی وجہ سے اس عظیم ذمہ داری کی مستحق تھی اور ان کا تقرر امت کے حق میں آپ بہتر سمجھتے تھے۔[۳] کیوں کہ حضرت علیؓ سابقین میں سے اور اصحابِ بدر میں تھے اور ساتھ ہی آسمانِ علم وفضل کے نیّر درخشاں اور خداترسی میں ضرب المثل تھے۔ آپ کے فرزند عبداللہؓ نے بھی حضرت علیؓ کی جانشینی کا مشورہ دیا تھا۔[۴] لیکن ایک اہل تر شخص کے ہوتے ہوئے بھی آپ نے کسی کو خلیفہ بنانے سے انکار کر دیا اور عبداللہ بن عباسؓ سے ایک مرتبہ فرمایا: ''میری طرف سے تین باتیں محفوظ کرلو، جن میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنایا ہے۔[۵] اس کے بجائے آپ نے یہ کام علی، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک کمیٹی کے حوالے کر دیا کہ وہ غور وفکر کے بعد اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کرلے۔[۶] یہ امت کے چیدہ افراد تھے، جن کا حسنِ سیرت اور شرف وکمال مسلّم تھا اور جن کے تقویٰ اور خداترسی کا یہ عالم تھا کہ زبان رسالت ان کے جنتی ہونے کی اسی دنیا میں بشارت دے چکی تھی۔[۷] ان افراد پر امت کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

۱۔ طبقات ابن سعد، القسم الاول: ج ۳، ص ۲۴۸
۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب الاستخلاف۔
۳۔ تاریخ طبری، تاریخ الکامل: ج ۳، ص ۲۸
۴۔ الاستیعاب لابن عبدالبر، تذکرۂ عمرؓ
۵۔ طبقات ابن سعد: ج ۳، ص ۲۵۶
۶۔ مشکوٰۃ کتاب المناقب، بحوالۂ بخاری۔
۷۔ مشکوٰۃ، کتاب المناقب، بحوالۂ ترمذی، ابن ماجہ

إنـي قـد نـظـرت لكم في أمر الناس فـلـم أجـد عـنـد الناس شقاقاً الا ان يـكـون فيـكـم، فـان كـان شقـاق فهو لكم ۔۱

میں نے تمہارے سلسلے میں لوگوں کے خیالات کا جائزہ لیا۔ پس میں نے لوگوں کے اندر تمہارے بارے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا، الا یہ کہ اختلاف خود تمہارے درمیان پھوٹ پڑے۔ لہٰذا اگر اختلاف ہوسکتا ہے تو تمہاری ہی وجہ سے ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے اس کمیٹی کو حکم دیا کہ وہ بعض دیگر اکابر امت مثلاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسنؓ کو بھی شریک مشورہ کرلے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی تصریح کردی کہ ان کی حیثیت محض مشیروں کی ہوگی۔ خلافت کا بار مذکورہ بالا چھ افراد ہی میں سے کوئی سنبھالے گا۔۲ کیوں کہ خلافت کا ان افراد سے ہٹ جانا امت کے انتشار کا سبب بن سکتا ہے۔

مہاجرین پر مشتمل اس کمیٹی کی تعیین کے بعد مشہور صحابی حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کو حکم دیا کہ تم اپنی قوم (انصار) کے پچاس منتخب اشخاص کے ذریعہ سے اس کمیٹی کو مجبور کردو کہ وہ تین دن کے اندر اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کرے۔۳

حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد ان چھ افراد کی کمیٹی کے اجلاس ہوتے رہے اور تین دن تک بحث و تمحیص ہوتی رہی، لیکن کوئی بات طے نہیں پائی۔ یہ دیکھ کر عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کمیٹی کے افراد سے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگوں میں سے کوئی دوسرے کے لیے اپنے حقِ خلافت سے دست بردار ہوسکتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں حضرت زبیرؓ نے فرمایا: میں حضرت علیؓ کے حق میں اپنا ووٹ دیتا ہوں اور حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں اور حضرت سعدؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حق میں اپنے حقوق سے دست بردار ہوگئے۔۴ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو یقین

۱۔ طبقات ابن سعد: ج ۳، ص ۲۴۹ — ۲۔ الامامۃ والسیاسۃ: ج ۱، ص ۲۵

۳۔ طبقات ابن سعد: ج ۳، ص ۴۲، تاریخ الکامل: ج ۳، ص ۲۸

۴۔ الامامۃ والسیاسۃ: ج ۱، ص ۲۵

دلاتا ہوں کہ مجھے خلافت کی کوئی ضرورت نہیں۔کیا آپ لوگ مجھے حکم ماننے کے لیے تیار ہیں؟ حضرت علیؓ نے فوراً کہا: ہاں، میں آپ کو حکم تسلیم کرتا ہوں۔آپ جو بھی فیصلہ کریں گے میرے لیے قابلِ قبول ہوگا۔[۱] اسی طرح کمیٹی کے دوسرے ارکان نے بھی آپ کو اپنا حکم مان لیا۔[۲]

بحث کے یہاں تک پہنچ جانے کے بعد عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ناموں کو قوم کے رؤ برو پیش کیا، تاکہ ان کی مرضی معلوم کی جاسکے۔ مدینہ یوں بھی مہاجرین وانصار کا مرکز تھا۔لیکن حضرت عمرؓ کی شہادت کی وجہ سے اور نئے خلیفہ کے انتخاب سے واقف ہونے کے لیے مختلف علاقوں کے گورنر اور بہت سے شہروں کے سردار اور معزز افراد مدینہ میں جمع ہوگئے تھے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان تمام کا عندیہ معلوم کرنے کی سعی کی۔اہل الرائے حضرات سے صلاح ومشورہ کیا اور عام لوگوں سے محض ان کی رائے دریافت کی، جس کے بعد آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ اکثریت حضرت عثمانؓ کے حق میں ہے۔دوسرے دن آپ نے تمام مہاجرین وانصار کو مسجد میں جمع کیا اور یہ تقریر کی: ''میں نے رائے عامہ دریافت کرنے کی حتی الوسع کوشش کی، جس کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اکثریت حضرت عثمانؓ کے حق میں ہے اور ان کو اپنا امیر تسلیم کرنے پر آمادہ ہے۔لہٰذا میں قلادۂ خلافت حضرت عثمانؓ کی گردن میں ڈال رہا ہوں۔'' اس اعلان کے سنتے ہی سب سے پہلے پیش قدمی کرکے حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر دوسرے لوگ بھی مسلسل بیعت کرنے لگے۔[۳]

۱۔مستدرک حاکم: ج۳،ص۳۱۰

۲۔الامامۃ والسیاسۃ: ج۱،ص۲۵

۳۔طبقات ابن سعد: ج۳،ص۴۳، البدایۃ والنہایۃ: ج۷،ص۱۴۷۔حافظ ابن کثیرؒ نے ان روایات پر سخت تنقید کی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان سنتے ہی حضرت علیؓ غضب ناک ہوگئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ تم نے محض قرابت داری کا خیال کرکے اور اس امید پر کہ عثمان کے بعد خود خلیفہ بن جاؤ، عثمان کو خلیفہ مقرر کیا ہے، چنانچہ یہ کہہ کر آپ مجمع سے واپس ہونے لگے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پکار کر کہا ''ومن نکث فانما ینکث علی نفسہ۔'' اس وعید کو سن کر حضرت علیؓ واپس ہوئے اور بادل ناخواستہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔حافظ موصوف نے لکھا ہے کہ یہ روایات مجہول الحال اشخاص سے مروی ہیں، اس لیے قابل قبول نہیں ہیں۔

علامہ ابن اثیرؒ کے الفاظ میں تمام اہلِ شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت پر اجماع کیا تھا۔[۱] اس سے بھی آگے بڑھ کر حضرت امام احمد بن حنبلؒ، جن کی نظر آثار وسنن پر نہایت وسیع رہی ہے، تصریح کرتے ہیں: ''حضرت عثمانؓ کی بیعت پر جس قدر اجماعِ عام ہوا اتنا اجماعِ عام خلفائے راشدین میں سے کسی کی بیعت پر نہیں ہوا۔''[۲]

حضرت علیؓ کی بیعت

حضرت عثمانؓ کے دور آخر میں مملکت اسلامیہ میں اضمحلال اور انتشار رونما ہوگیا تھا اور اچھا خاصا ایک فاسد عنصر ملک میں ہنگامہ سازی اور فتنہ خیزی کے درپے ہوگیا تھا، جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا الم ناک سانحہ پیش آیا۔ اس حادثۂ عظیم سے ملک کی چولیں ڈھیلی ہوگئیں اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک افراتفری اور بدنظمی پھیل گئی۔ اس طوفان کو فرو کرنا اور حالات کو اپنے اصلی محور پر لانا زہرہ گداز کام تھا۔ ایسے پُر ہول اور نازک حالات میں خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔

ہم گزشتہ صفحات میں حضرت علیؓ کی بیعت کی طرف چند اجمالی اشارات کر چکے ہیں، جن سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اربابِ حل وعقد کی اکثریت نے آپ کو حق خلافت عطا کیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے جن چھ افراد کو امت کا نمائندہ قرار دیا تھا ان میں حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس وقت موجود تھے۔ حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرلوں، یا تم میرے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ دونوں نے جواب دیا: ''ہم آپ ہی کو خلافت کا مستحق سمجھتے ہیں۔''[۳]

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کے انکار کے باوجود مہاجرین وانصار نے

۱۔ تاریخ الکامل: ۳/۳۳

۲۔ منہاج السنۃ: ۴/۱۶۴

۳۔ تاریخ الکامل: ۳/۳۳

بے حد اصرار سے آپ کو خلیفہ منتخب کیا۔[۱] ابن سعدؒ کا بیان ہے:

جمیع من کان بالمدینة من أصحاب رسول الله وغیرهم۔[۲]	مدینہ کے تمام لوگوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی، جن میں اصحاب رسول اور دیگر اصحاب شامل تھے۔

مہاجرین میں صرف دو ہی چار افراد کے نام ملتے ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ انصار کے متعلق علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں:

وبایعت الانصار الا نفرا یسیراً۔[۳]	ایک بہت ہی مختصر گروہ کے علاوہ تمام انصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

اور ان بیعت نہ کرنے والوں میں بیش تر افراد اس وجہ سے بیعت کرنے میں پس وپیش کر رہے تھے کہ امت کی مرضی جاننا چاہتے تھے۔ اگر تمام ممالکِ اسلامیہ میں بیعت ہو جائے تو وہ بیعت کرنے کے لیے آمادہ تھے۔[۴]

چاروں خلفاء کے انتخاب کی تفصیل کے بعد ہم اس دور کے اور دو چار واقعات پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے اسلام کا نظام شورائیت سمجھنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

۱۔ تاریخ الکامل، ۳/۳۳ ۲۔ تاریخ الکامل، ۳/۳۳ ۲۔ تاریخ الکامل، ۳/۳۳

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمری

خدمتِ خلق کے موضوع پر یہ ایک شاہ کار تصنیف ہے۔ اس میں درج ذیل عناوین پر بڑی عالمانہ اور تحقیقی بحث کی گئی ہے:

خدمت خلق کا صحیح تصور اور غلط تصورات کی تردید، خدمتِ خلق کا اجر و ثواب، خدمت کے مستحقین، خدمت سب کی کی جائے، وقتی خدمات، رفاہی خدمات، خدمت کے لیے انفرادی و اجتماعی کوششیں، خدمت کے لیے اخلاص کی ضرورت۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں۔

اس کتاب کا انگریزی، عربی، ہندی، ملیالم اور تمل زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

صفحات: ۱۵۴ قیمت: ۱۱۰/روپے

ماحول کا تحفظ ۔ اسلامی تناظر میں

——————— جناب عبدالمنان چیمہ

سائنس وصنعت کی ترقی نے آسان طرزِ زندگی کے ساتھ بہت سی آلودگیوں کو بھی جنم دیا ہے۔ صنعتی انقلاب اور مادی ومعاشی ترقی کی خواہش نے کرہ ارض کے قدرتی ماحولیاتی نظام کو کافی حد تک درہم برہم کردیا ہے۔ سائنس وٹکنالوجی کی ترقی نے قدرتی و فطری ماحول کو بگاڑ دیا ہے۔ یہ صورتِ حال انسان اور کرۂ ارض پر پائی جانے والی تمام مخلوقات کی حیات و بقا کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ ماحولیاتی آلودگی کی بدولت سالانہ لاکھوں افراد لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ دورِ حاضر میں انسان اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹنے کے لیے کوشاں ہے۔ انسان نے اپنی مفسدانہ حرکتوں سے کائنات کی اشیاء کا توازن بگاڑ دیا ہے اور کوئی چیز بھی اپنی اصلی اور طبعی حالت پر باقی نہیں رہی ہے۔ پلاسٹک کا استعمال بڑھتا جارہا ہے، جب کہ وہ نہ پانی میں حل ہوتی ہے نہ مٹی میں جذب ہوتی ہے، جس کی بناپر اس سے زمین کے ماحول میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ انسانوں میں اکثر و بیش تر موذی امراض کی وجہ آلودہ ماحول ہے۔ آلودگی مختلف نفسیاتی اور جسمانی امراض کا سبب ہے۔ ماحولیاتی آلودگی عصر حاضر کا ایک اہم ترین اور عالمی مسئلہ ہے۔ ماحولیاتی بحران کا بڑا سبب اسلام کے سادہ ماحولیاتی اصول وضوابط سے دوری ہے۔ اسلام ایک مکمل اور جامع ضابطۂ حیات ہے۔ یہ زندگی کے ہر شعبے میں رہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ ماحولیات سے متعلق اسلامی اصول وضوابط پر عمل کرکے آلودگی سے پاک معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انسانوں کی قلبی واخلاقی پاکیزگی کے ساتھ ظاہری صفائی کے بھی رہ نما اصول عطا کیے ہیں۔ یہ جاننا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ ماحولیاتی

آلودگی جیسے عالمی مسئلے کا سدِّ باب کیسے کیا جائے؟ اوراس سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟

ماحول کا معنی ومفہوم

ماحول کو عربی زبان میں ُبیـئة ' کہا جاتا ہے،جس کا مادہ ُبـوأ ' ہے۔احمد بن خلیل (م۱۷۰) لکھتے ہیں:

بوأ: الباء ةُ والمَباء ة: منزل القوم حين يَتبَوَّءُ ونَ فى قِبَلِ وادٍ، أو سَنَد جَبَلٍ۔[۱]

ابونصر فارابیؒ فرماتے ہیں:

(بوأ)المباء ة : منـزل الـقوم فى كل موضع، ويسمى كِناس الثور الوحشى۔[۲]

ابن الاثیرؒ نے لکھا ہے:

فَلْيَتَبَوَّأْ مقعده مِنَ النَّارِ قَدْ تَكَرَّرَتْ هَذِهِ اللَّفْظَةُ فِى الْحَدِيثِ، وَمَعْنَاهَا لِيَنْزِلْ مَنْزِلَه مِنَ النَّارِ، يُقَالُ بَوَّأَهُ اللَّهُ مَنْزِلا، أَىْ أسْكَنَه إِيَّاه، وتَبَوَّأْتُ منزِلا، أَىِ اتَّخَذْتُه، والمَبَاءَة: الْمَنْزِل [۳]

ماہرینِ لغت کی آراء کا لبّ لباب یہ ہے کہ ُبوَّا ' کا معنیٰ ٹھکانہ،قیام کی جگہ، منزل،مسکن ،رہنےسہنے کا مقام یعنی ماحول ہے۔عربی زبان میں اس کے لیے ایک دوسرا لفظ ُمسکن' مستعمل ہے۔مسکن کو انگریزی میں Habitat کہا جاتا ہے۔[۴]جب کہ انگریزی میں ماحول کے لیےEnvironment کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔[۵]لفظ ماحول کا اطلاق ایک جان دار کے اردگرد پائی جانے والی ہر شے پر ہوتا ہےاور وہ جان دارخود بھی دوسری مخلوقات کے ماحول کا حصہ ہوتا ہے۔[۶]ُڈکشنری آف انوائرنمنٹ' کےمطابق کسی بھی جان دار کے ماحول میں اس کے اردگرد پائے جانے والےطبیعی اور کیمیائی طور پر اس کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے حالات وواقعات شامل ہیں۔[۷]اسی طرح ڈکشنری آف جیوگرافی کےمصنف ایم۔ایس۔راؤ کا کہنا ہے کہ آس پاس کے حالات کا پورا مجموعہ اس کا ماحول کہلاتا ہے،جس کے اندرایک جان دار،ایک کمیونٹی یا کوئی شے موجود ہوتی ہے۔[۸]

ماحول کی مذکورہ تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں کسی بھی چیز یا جان دار کے اردگرد پائی جانے والی تمام اشیاء (جان دار یا بے جان) شامل ہیں، جو اس پر کسی بھی طرح اثر انداز ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر نباتات، حیوانات و جمادات، گھر، ہوا، پانی، پھل، پھول، جنگلات، پہاڑ، دریا، صحرا، پرند، چرند اور زمین ہمارے ماحول کے مختلف عناصر ہیں اور یہ سب چیزیں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ صرف زمین ہی ایسا واحد سیارہ ہے جس کا ماحول انسان کے لیے سازگار اور موافق ہے۔ مریخ زمین سے کافی حد تک مماثلت رکھنے والا سیارہ ہے، لیکن اس پر اور دیگر کسی بھی سیارہ پر زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے، کیوں کہ وہاں کی فضا اور ماحول جان داروں کی بقا کے لیے موافق وموزوں نہیں ہے۔[۹]

ماحول کی اہمیت وافادیت

ماحول اتنی زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں مختلف زاویوں سے اس کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (النحل:۴۱)

''جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ہیں ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دیں گے۔''

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن جریر طبریؒ رقم طراز ہیں:

(لَنُبَوِّئَنَّهُم): لنحلّنهم ولنسكننهم، لأن التبوّء في كلام العرب الحلول بالمكان والنزول به، ومنه قول الله تعالى وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ.''[۱۰]

یعنی کلام عرب میں 'تبوّء' کے معنیٰ کسی جگہ ٹھہرنے اور ٹھکانہ اختیار کرنے کے ہیں۔ قرآن میں بھی یہ لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا۔(الاعراف:۷۴)

''اورتم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے اوراس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے۔''

صاحب تفسیر المنار لکھتے ہیں:

" وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ، أَيْ أَنْزَلَكُمْ فِيهَا وَجَعَلَهَا مَبَاءَةً وَمَنَازِلَ لَكُمْ."[۱۱]

یعنی اللہ نے تمھیں زمین میں اتارا اور اس میں تمھارے لیے ٹھکانے اور رہائش گاہیں بنائیں۔

اللہ تعالیٰ نے روح وقلب کو شرک کی گندگی سے محفوظ رکھنے کے ساتھ طبعی ماحول کو بھی آلودہ ہونے سے بچانے کا حکم دیا ہے۔اس کا ارشاد ہے:

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِیَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔(الحج:۲۶)

''یاد کرو وہ وقت جب کہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے اس گھر (خانۂ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی اس ہدایت کے ساتھ کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔''

ماحولیات اور جان داروں کے مابین گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔'ایکولوجی' ماحولیاتی سائنس کی معروف اور جدید اصطلاح ہے۔[۱۲] نیو انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کے مطابق ایکولوجی کو بائیوایکولوجی، بائیونومکس یا ماحولیاتی بیالوجی بھی کہا جاتا ہے۔[۱۳] تمام جان دار اپنی حیات و بقا کے لیے ایک دوسرے پر انحصار رکھتے ہیں۔ جان دار ایک کمیونٹی کی شکل میں قدرتی ماحول میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ان کا آپس میں میل جول اور لین دین ماحولیاتی سائنس میں ماحولیاتی نظام (Ecosystem) کہلاتا ہے۔[۱۴] انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کے مطابق ماحولیاتی نظام جان داروں کا طبعی ماحول ہے، جس میں وہ ایک دوسرے سے باہم تعلقات رکھتے ہیں۔[۱۵] شجر، حجر، معدنیات، ہوا، پانی،

آگ، مٹی، جنگلات، حیوانات، چرند، پرند اور خود انسان اس عظیم ماحولیاتی نظام کا حصّہ ہیں۔ قرآن مجید میں بھی مختلف ماحولیاتی عناصر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ . (الانعام:۳۸)

''زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو۔ یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں۔''

شیخ محمد رشید رضاؒ بیان فرماتے ہیں:

الْعِنَايَةُ بِحِفْظِ أَنْوَاعِ الْحَيَوَانِ وَالرِّفْقُ بِمَا سَخَّرَهُ اللهُ مِنْهَا لِلْإِنْسَانِ، وَبِغَيْرِهِ .يُؤْخَذُ هَذَا مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: (وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ)۔[۱۶]

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات کی انواع کی حفاظت کرنی چاہیے اور چوں کہ اللہ نے انھیں انسانوں کے لیے مسخر کیا ہے، اس لیے ان کا خیال رکھنا چاہیے۔

کرۂ ارض پر انسان کے علاوہ بھی لاتعداد مخلوقات آباد ہیں، جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے۔اسلام دوسری مخلوقات سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیتا ہے۔انسان کے اردگرد بے شمار جان دار یا بے جان اشیاء پائی جاتی ہیں۔ یہ سب زمین کے عظیم ماحولیاتی نظام کا حصہ ہیں۔

کرۂ ارض پر کئی اقسام کے ماحولیاتی نظام پائے جاتے ہیں:

	اردو	انگریزی	سائنس
سمندر، دریا، جھیلیں وغیرہ	آبی ماحول	Water Environment	Aquatic Environment
میدان، پہاڑ، جنگلات، صحرا وغیرہ	زمینی ماحول	Land Environment	Terrestrial Environment

Atmospheric Environment	Air Environment	فضائی ماحول	ہوا، فضائی کرہ

ماحول زمینی، فضائی اور آبی آلودگی سے متاثر ہو رہا ہے اور تمام مخلوقات کی حیات و بقا کے لیے سخت خطرہ لاحق ہو چکا ہے، مگر زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ ترقی یافتہ قومیں اپنا راستہ نکال رہی ہیں، جب کہ ماحولیاتی آلودگی کا سارے کا سارا ملبہ ترقی پذیر اور غریب اقوام پر ڈالا جا رہا ہے۔

ماحولیات جدید سائنس کا ایک اہم ترین اور کثیر الجہتی شعبہ ہے، جس کا دائرۂ کار بایولوجیکل، فزیکل، سوشل اور کیمیکل سائنسز تک وسعت رکھتا ہے۔ ماحولیاتی سائنس کو بین الکلیاتی فیلڈ بھی قرار دیا جا سکتا ہے، یعنی مختلف کلیات مثلاً فزکس، کیمسٹری، بایولوجی، (باٹنی، زولوجی) اور جیالوجی کی معلومات و خیالات ماحولیات کے مطالعہ میں شامل ہیں۔ ماحولیاتی سائنس دراصل قدرتی اور سماجی سائنس کا حسین امتزاج ہے۔

عالمی ماحولیاتی کردار

قدرتی ماحول کا تحفظ ایک عالمی مسئلہ ہے۔ اس لیے متعدد ماحولیاتی ادارے عالمی سطح پر کام کر رہے ہیں۔ ان میں چند اداروں کے نام ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:

No	Name of Environmental Organization	Year of Formation	Headquarter	Abbreviation
1.	Nature Friends International	1895	Vienna (Austria)	NFI
2.	World Wide Fund for Nature	1961	Gland (Switzerland)	WWF
3.	Greenpeace	1969	Amsterdam (Netherlands)	GP

4.	United Nations Environment Programme	1972	Nairobi (Kenya)	UNEP
5.	Global Environment Facility	1992	Washington (USA)	GEF
6.	Alliance of Religions and Conservation	1995	Kelston Park(UK)	ARC
7.	Global Footprint Network	2003	California (USA)	GFN

اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ہر سال ۵/جون کو ماحولیات کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔اس دن لوگوں میں ماحول کے تحفظ کے سلسلے میں بیداری لانے کے لیے سیمینارز، واک، ریلیاں اور دیگر تقاریب کا انعقاد کیا جاتا ہے،درخت لگانے کا اہتمام کیا جاتا ہے، صفائی مہم چلائی جاتی ہے،شہریوں کے لیے آگاہی کیمپ لگائے جاتے ہیں۔اس دن کو منانے کا مقصد ماحول کے تحفظ اور اس کی اہمیت سے شہریوں کو آگاہ کرنا ہے۔دنیا بھر میں عالمی ماحولیاتی تحریکیں ماحول کے تحفظ کے لیے عوام الناس کا شعور اجاگر کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔

ماحولیاتی بحران اس وقت دنیا کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ماحولیاتی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے عالمی سطح پر کانفرنسوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔اقوام متحدہ نے ۱۹۹۲ء میں برازیل میں کانفرنس کا انعقاد کیا۔پھر ۲۰۱۵ء میں جرمنی کے شہر بون میں ایک عالمی ماحولیاتی کانفرنس دو ہفتے تک جاری رہی۔اس میں ۲۵ ہزار مندوبین شریک ہوئے۔اس میں ضرر رساں گیسوں کے اخراج کو کم کرنے پر زور دیا گیا۔عالمی درجۂ حرارت میں اضافہ ۲ ڈگری سنٹی گریڈ تک محدود کرنے کی تجویز دی گئی۔[۱۷] اسی طرح ماحولیاتی آلودگی کے تدارک کے لیے عالمی بینک ترقی پذیر ممالک میں مختلف پراجیکٹس لانے کے منصوبے بناتا ہے اور آلودگی ختم کرانے کے لیے مختلف اسٹڈیز کراتا ہے اور احتیاطی تدابیر وضع کرتا ہے،جن پر عمل درآمد سے آلودگی کم کرنے میں مدد ملتی ہے

تحفظِ ماحول اور اسلام

ماحولیات کے مختلف پہلوؤں، بالخصوص قدرتی وسائل کا استعمال اور ان کا تحفظ اور ان میں اسراف سے پرہیز وغیرہ پر اسلامی تعلیمات میں رہ نمائی ملتی ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدّن میں آلودگی سے پاک ماحول کو پروان چڑھایا گیا ہے۔جس طرح نفس وروح کی پاکیزگی ایک نعمت ہے،اسی طرح ماحول ومسکن کی پاکیزگی بھی ایک نعمت ہے۔اس نعمت کی تکمیل اسی وقت ہوسکتی ہے جب اسے نفس وجسم دونوں کی طہارت و پاکیزگی کے لیے رہ نمائی حاصل ہو۔

تحفظِ ماحول۔انسان کی ذمہ داری

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کرۂ ارض پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا اور زمین اور اس کے اندر چھپے خزانوں کو اس کے تابع کر دیا۔انسان نے نام نہاد ترقی کی آڑ میں زمین کی خوب صورتی کو مسخ کرنا شروع کر دیا ہے۔انسان کا فرض ہے کہ قدرتی وسائل کو دانش مندانہ طریقے سے استعمال میں لائے،تا کہ آئندہ نسلیں بھی اس سے بھرپور استفادہ کرسکیں، کیوں کہ قدرتی وسائل کا استعمال آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے۔ دورِ حاضر میں ماحول کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال انسان کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔ زمین اور قدرتی ماحول کے تحفظ کا ذمہ دار انسان ہے،کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نائب وخلیفہ کی حیثیت سے زمین پر اتارا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ۔(البقرۃ:۳۰)

''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

زمین کی ساری چیزیں انسان کے فائدے کے لیے ہیں ۔ان میں حد درجہ توازن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔انسان ان کا مالک نہیں، بلکہ محافظ ہے۔اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جس موزونیت اور تناسب کو قائم کیا ہے،انسان ہی اس کی بقا کا ذمہ دار ہے۔ قدرتی ماحول کی اہمیت کے بارے میں کم علمی کی وجہ سے آلودگی کے مسائل پیدا ہورہے ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے استفادہ کرنے کے ساتھ ان کا تحفظ بھی ضروری ہے۔قابل کاشت زمین ہو یا دھاتوں کے خزانے،خوف ناک سمندر ہوں یا وسیع وعریض فضائیں،نباتات و جمادات کے ذخیرے ہوں یا حیوانات کی قسمیں،کھلی وادیاں ہوں یا بلند وبالا پہاڑ،ان سب سے کام لے کر معیشت کو مضبوط و مستحکم بنانا منشائے ایزدی کے مطابق ہے۔آبادی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر ماحولیاتی عناصر:ہوا، پانی،نباتات اور دوسرے قدرتی وسائل کا استعمال انتہائی دانش مندی اوراعتدال ومیانہ روی سے کرنا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔

ماحولیاتی فساد کی مذمت

انسانوں نے اپنی راحت اور زینت کے لیے سامان تیار کرنے کی غرض سے فیکٹریاں اور کارخانے لگائے،مگر دھوئیں کی چمنیوں پر ٹریٹمنٹ فلٹر نہیں لگائے۔ ظاہر ہے،ایسے ماحول دشمن کارخانے جہاں بھی لگیں گے وہاں مہلک امراض کا دوردرہ ہوگا۔ اس طرح دورِ حاضر کا انسان اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹنے کے لیے کوشاں ہے۔اس نے اپنی مفسدانہ حرکتوں سے کائنات کی اشیاء کے توازن کو بگاڑ دیا ہے اور کسی چیز کو اپنی اصلی اور طبعی حالت پر باقی نہیں رہنے دیا ہے،جس کے نتیجہ میں اس کا اپنا وجود خطرے میں ہے۔اس کے کرتوتوں کی وجہ سے نہ صرف اس کی بلکہ ہر جان دار کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔قدرتی ماحول کی تباہی و بربادی کا سبب انسانوں کی غلط حرکات وسکنات ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی فساد کی ایک قسم ہے۔قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ماحولیاتی بحران کی اصل وجہ انسان کی منفی اور تخریبی سرگرمیاں ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ. (الروم:۴۱)

خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے،تاکہ مزہ چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا،شاید کہ وہ باز آئیں۔

اس آیت کے حوالے سے امام ابن القیمؒ لکھتے ہیں:

قال مجاهد: إذا ولی الظالم أساء بالظلم والفساد، فیحبس بذلک القطر، ویهلک الحرث والنسل واللّٰه لا یحب الفساد.[۱۸]

''مجاہد کہتے ہیں: جب کوئی ظالم حکم راں بنتا ہے تو روئے زمین کو ظلم و فساد سے بھر دیتا ہے۔ اس وقت بارش رک جاتی ہے اور کھیتی اور انسانوں کی فصل تباہ ہوجاتی ہے۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

صنعتی ممالک نے دنیا کے ماحولیاتی نظام کو بری طرح متأثر کیا ہے اور قدرتی نظام حیات کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ بعض اوقات ماحول میں تبدیلی قدرتی طور پر بھی وقوع پذیر ہو جاتی ہے، لیکن اکثر و بیش تر انسان کی سرگرمیاں ہی اس کا بڑا سبب ہوتی ہیں۔ دنیا میں مختلف اقسام کے جان دار قدرتی وسائل و ذرائع سے مستفید ہوتے ہیں، لیکن ان کی حفاظت کا ذمہ دار تنہا انسان ہے۔ اسی طرح وہ کائنات میں بگاڑ و فساد اور اس کے توازن میں خلل کا بھی ذمہ دار ہے۔ قدرتی ماحول کے توازن میں خلل ڈالنا اللہ تعالیٰ کی سراسر نافرمانی ہے۔ ڈاکٹر حسین نصر لکھتے ہیں:

> The environmental crisis may in fact be said to have been accused by man's refusal to see God as the real environment which surrounds him and nourishes his life (19)
>
> ''یہ کہا جا سکتا ہے کہ درحقیقت ماحولیاتی بحران کا سبب یہ ہے کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا ہے، جو ماحول کا اصل منبع ہے، جو اس کا احاطہ کرتا ہے اور ان کی زندگی کو پروان چڑھاتا ہے۔''

انسان اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے بے نیاز ہو کر اپنے اختیارات کو استعمال کرنے کا مجاز و مختار نہیں ہے۔ نئے کیمیکلز کے استعمال سے سبزیاں اور پھل قبل از وقت تیار کر لیے جاتے ہیں۔ گیارہ سال کا ہر تین میں سے ایک بچہ اضافی وزن کا شکار ہے۔ اس کی بنیادی وجہ صحت مندانہ سرگرمیوں کی کمی اور ماحولیاتی آلودگی ہے۔ ماحولیات پر انسان کی منفی سرگرمیاں بری طرح اثر انداز ہوتی ہیں۔

انسانی جان کا تحفظ

عالمی ادارۂ صحت کی ایک رپورٹ کے مطابق آلودگی کے لحاظ سے چین پہلے نمبر پر اور بھارت دوسرے نمبر پر ہے۔ پاکستان دنیا بھر میں تیسرا آلودہ ترین ملک ہے۔[۲۰] ماحولیاتی آلودگی کے انسانی صحت پر تباہ کن اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ صنعتی انقلاب، ماحولیاتی عدم توازن، گلوبل وارمنگ اور موسمیاتی تبدیلی کی وجہ سے نہ صرف امراض میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے، بلکہ امراض پیچیدہ تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی سانس کی بیماریوں، دمہ، ٹی بی، سینے میں درد، نزلہ، زکام، بلڈ پریشر، ہیپاٹائٹس، جلدی امراض، امراضِ چشم، الرجی اور کینسر جیسے مہلک امراض پھیلا رہی ہے۔ اسی طرح آلودگی حیوانات میں بھی کئی خطرناک امراض کی باعث بن رہی ہے۔ زندگی اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا عطیہ ہے اور حتیٰ المقدور حفاظتِ جان انسان کا فریضہ اور اس کی ذمہ داری بھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا۔ (المائدۃ:۳۲)

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔''

پس ثابت ہوا کہ قرآن میں ایسے سرمایہ داروں کے لیے وارننگ ہے جو انسانی آبادیوں میں کارخانے لگاتے ہیں اور ٹریٹمنٹ پلانٹس کی تنصیب کے بغیر زہریلا پانی اور دھواں چھوڑ کر عوام الناس کی زندگیوں سے کھیلتے ہیں۔ ایک انسانی جان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے اور ایک انسانی جان کا تحفظ ساری انسانیت کا تحفظ ہے۔ اس اعتبار سے ماحولیاتی قوانین کا نفاذ دراصل آلودگی کے زہر سے انسانیت کا تحفظ ہے۔ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ پوری دنیا میں کارخانوں کا جال بچھا ہوا ہے، جو

زہریلے دھویں اور زہریلے پانی کے ٹریٹمنٹ کے بغیر اخراج کی وجہ سے عام لوگوں کو جان لیوا بیماریوں میں مبتلا کر دیتے ہیں، یعنی مبینہ طور پر ان کے قتل کا سبب بن رہے ہیں، جب کہ دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کی بقا اس پر منحصر ہے کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقا و تحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔

پانی کا تحفظ

پانی کرۂ ارض پر ہر جان دار کی زندگی کے لیے جزوِ اعظم اور لازمی حصہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے جو حیات آفریں اور حیات پرور ہے۔ تحفظِ آب کے بارے میں اسلامی احکام و مسائل واضح، عالم گیر اور مستقل ہیں۔ دورِ حاضر میں پانی کا تحفظ ایک عالمی مسئلہ بن گیا ہے۔ پانی کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کرنے کے لیے ہر سال ۲۲/مارچ کو پوری دنیا میں 'یومِ آب' منایا جاتا ہے۔ پانی کرۂ ارضی پر موجود ہر قسم کی حیات کا لازمی جزو ہے۔ کسی بھی جان دار کی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ جدید ترین تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ پروٹوپلازم کا تقریباً ۵۸ فی صد حصہ پانی ہے۔ [۲۱] ستم ظریفی یہ ہے کہ دورِ جدید میں خطرناک اور زہریلے صنعتی مادوں کی وجہ سے پانی مسلسل آلودہ ہو رہا ہے۔ اس لیے آبی اور انسانی حیات ایک بڑی مصیبت اور زبردست خطرے سے دوچار ہے۔ تازہ تحقیقات کے مطابق ملک میں نوّے فی صد بیماریوں کی وجہ گندا پانی ہے۔ [۲۲] ورلڈ اکنامک فورم کے مطابق دنیا کے تمام سمندروں میں ہر سال ۸۰۸ ملین ٹن پلاسٹک پر مشتمل کچرا پھینکا جاتا ہے۔ ہر سال ایک لاکھ سے زائد سمندری جان دار اس کو کھانے سے مر جاتے ہیں۔ انڈونیشیا اور کیلی فورنیا میں مچھلیوں کا ٹیسٹ کیا گیا تو ۲۵ فی صد مچھلیوں کے پیٹ میں پلاسٹک کے ذرّات موجود تھے۔ اس کے علاوہ امریکہ، یورپ اور چین کے سمندری نمک میں مائیکرو پلاسٹک پایا گیا ہے۔ [۲۳] آبی آلودگی کا پتہ چلانے والی ٹیکنالوجی ایجاد کرنے پر کام جاری ہے۔ مثال کے طور پر نیشنل سنٹر فار

کمپوزیشنل کریکٹرائزیشن آف میٹریلز (NCCCM) نے پانی میں فلورائیڈ، کرومیم اور لوہے کا پتہ لگانے کے لیے ایک مرئی (Visual) کِٹ تیار کی ہے، جس کے ذریعے پانچ منٹ کے اندر پانی میں ان اشیاء کی موجودگی معلوم کی جاسکتی ہے۔۲۴

اسلام میں پانی کی آلودگی سے تحفظ کے لیے واضح احکام پائے جاتے ہیں۔ پانی کے تحفظ اور استعمال کے اسلامی اصول و آداب ماحول کے سلسلے میں فکر مند افراد اور تنظیموں کے لیے مینارۂ نور ہیں۔ پانی کے موجودہ مسائل کا حل ان زریں اصولوں پر عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔۲۵ ایک دوسری حدیث کے مطابق بہتے ہوئے پانی میں بھی پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ طبی اعتبار سے پانی میں پیشاب کرنے سے 'بلہارزیا' نامی مرض کے جراثیم سارے پانی میں پھیل جاتے ہیں اور خاص طور سے ٹھہرے ہوئے پانی میں ایسے جراثیم کا پھیلنا یقینی ہوتا ہے۔ پھر وہ جراثیم اپنے تکوینی مراحل طے کرکے دم دار جرثومہ کی شکل میں پانی میں تیرنے لگتے ہیں اور جب اسے کوئی جسم مل جاتا ہے تو اس میں گھس جاتے ہیں اور جگر کی سوزش اور دوسرے امراض کا باعث بنتے ہیں۔۲۶

اسلام میں تحفظِ آب کے لیے دی جانے والی ہدایات وتعلیمات جامع اور وسیع الاطراف ہیں۔ ان کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ زیرِ زمین پانی، نہروں، دریاؤں، سمندروں میں زہریلا مواد پھینکنا حفظانِ صحت کے اصولوں اور اسلامی نظریۂ حیات کے خلاف ہے۔

فضا کا تحفظ

زہریلے دھویں، گرد وغبار، آلودہ پانی کی آمیزش سے فضا میں تحلیل ہونے والی آلودگی فضائی آلودگی کہلاتی ہے۔ فضا میں شامل کاربن مونو آکسائیڈ اور صنعتی یونٹس سے پیدا ہونے والا دھواں دھند سے مل ایک ایسے آمیزے کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو آنکھوں، ناک، گلے اور پھیپھڑوں پر جم جاتا ہے۔ آلودگی کی وجہ بننے والے پارٹیکل میٹر

(پی ایم) فضائی آلودگی کے ذرات (پی ایم) میں سلفر ڈائی آکسائیڈ اور سیسہ سرِ فہرست ہیں۔۲۷ ہوائی جہازوں اور جنگی جہازوں کی پروازوں سمیت ذرائع آمدورفت سے بھی فضائی آلودگی پھیلتی ہے۔پوری دنیا میں فضائی آلودگی سے سالانہ نوملین افراد موت کے منھ میں چلے جاتے ہیں۔۲۸

فضل کریم خان ماحولیاتی آلودگی کی وجوہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> Staionary sources of pollution are industrial plants, power-generating stations, construction projects and solid wastes(29)
>
> ''صنعتی پلانٹس ، برقی پلانٹس،تعمیراتی پروجکٹس اور فضلہ کا مواد آلودگی کے مستقل ذرائع ہیں۔''

کارخانوں کا گندا پانی اور زہریلا دھواں،دھواں چھوڑنے والے ذرائع آمدورفت کا اضافہ،درختوں کی بے دریغ کٹائی،عوامی مقامات پر گندگی کے ڈھیر لگانا اور عوام الناس کا غیر ذمہ دارانہ رویہ ماحولیاتی آلودگی کی اہم وجوہ ہیں۔حدیث میں کسی بھی قسم کی زہریلی یا ناگوار بدبو پھیلانے سے منع کیا گیا ہے۔بدبو دار فضا سے نہ صرف انسان بلکہ ملائکہ بھی کراہت وتکلیف محسوس کرتے ہیں۔ارشادِ نبویؐ ہے:

> مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الْبَقْلَةِ، الثُّومِ وقَالَ مَرَّةً: مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّومَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا ۔۳۰
>
> ''جو شخص یہ سبزی یعنی لہسن (اور دوسری روایت کے مطابق پیاز،لہسن اور گندنا) کھائے وہ ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے۔''

قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ جو دین کچے لہسن و پیاز کی بے ضرر اور معمولی بدبو سے عوامی مقامات پر لوگوں کو اذیت وتکلیف دینا گوارا نہیں کرتا، وہ فیکٹریوں کے جان لیوا کیمیائی زہریلے دھویں سے عام لوگوں کی صحت و زندگی سے کھیلنے کی اجازت کیوں کر دے سکتا ہے؟

صنعتوں سے تقریباً بیس ہزار ملین ٹن فضلہ خارج ہوتا ہے،جس کا دس فی صد

حصہ خطرناک مادے پر مشتمل ہوتا ہے۔ ۳۱؎ فیکٹریوں کے مہلک زہروں سے فضا بری طرح آلودہ ہورہی ہے، جو سموگ کا باعث ہے۔سموگ نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں، پودوں اور فطرت کی ہر چیز کو نقصان پہنچاتی ہے۔سموگ آکسیجن پر اثر انداز ہوکر سانس لینے میں شدید دشواری کا باعث بنتی ہے، جس سے بعض حالات میں موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔

جنگلات اور درختوں کا تحفظ

ماحولیاتی آلودگی کا ایک اہم سبب ڈی فاریسٹیشن یعنی جنگلات اور درختوں کی بے دریغ کٹائی ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ تیزی سے درختوں کی کٹائی کی وجہ سے جنگلی حیات اور دوسرے حیوانات کی رہائش وخوراک سکڑتی جارہی ہے، تازہ ہوا کی کمیابی بڑھتی جارہی ہے۔فضا میں آکسیجن میں کمی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ میں اضافہ ہورہا ہے، اوزون کی تہہ کو نقصان ہورہا ہے، انسان وحیوان کی زندگی وصحت کو شدید خطرات لاحق ہورہے ہیں۔ نبات وشجر کشی کی وجہ سے سطح زمین کی مٹی میں پانی جذب کرنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔ روزنامہ جنگ کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۰ء سے ۲۰۱۰ء تک ملک بھر میں تقریباً ۳۳ فی صد جنگلات کا صفایا کیا گیا ہے۔۳۲؎ دنیا بھر میں جنگلات ونباتات انتہائی تیزی سے سکڑتے جارہے ہیں۔ بلاضرورت درخت کاٹنے والے کے لیے حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً صَوَّبَ اللهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ ۔۳۳؎

”جس شخص نے بیری کا درخت کاٹا، اللہ اسے سر کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔“

اسلام درخت کاٹنے کے عمل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جہاد کے دوران بھی درختوں کا صفایا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ جہاد کے لیے روانگی کے وقت خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اسامہؓ کے لشکر کو درختوں کو نقصان پہنچانے سے منع کیا تھا:

ولا تقطعوا شجرة . ۳۴؎

”اور کوئی درخت نہ کاٹنا۔“

شجرکاری کی تعلیم

احادیثِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زیادہ سے زیادہ درخت لگانے کی ترغیب وتعلیم دی ہے۔کرۂ ارض پر قدرتی ماحول کے تحفظ اور انسانی زندگی کی بقا کی خاطر انسان کا فرض ہے کہ اپنے اردگرد زیادہ سے زیادہ درخت لگائے، کیوں کہ درخت فضا کو صاف کرتے ہیں۔ درخت، پودے اور سبزہ ماحول کی صفائی کے قدرتی کارخانے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ . (البقرۃ:۲۰۵)

''اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین پر دوڑتا پھرتا ہے، تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کردے اور اللہ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔''

امام قرطبیؒ کے مطابق مذکورہ آیت درخت لگانے کی ترغیب وتشویق پر دلالت کرتی ہے۔لکھتے ہیں:

وَدَلَّتِ الْآیَةُ عَلَی الْحَرْثِ وَزِرَاعَةِ الْأَرْضِ، وَغَرْسِهَا بِالْأَشْجَارِ حَمْلًا عَلَی الزَّرْعِ. ۳۵

''اس آیت سے کھیتی کرنے، زمین میں پیداوار کرنے اور درخت لگانے کی ترغیب ثابت ہوتی ہے۔''

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنْ قَامَتْ عَلَی أَحَدِکُمُ الْقِیَامَةُ، وَفِی یَدِهِ فَسِیلَةٌ فَلْیَغْرِسْهَا.۳۶

''اگر قیامت آجائے اور کسی شخص کے ہاتھ میں ایک پودا ہو تو وہ اسے ضرور لگادے۔''

کئی احادیث مبارکہ میں شجرکاری کی توسیع پر صدقۂ جاریہ کی بشارت دی گئی ہے، یعنی درخت لگانے کا اجروثواب قیامت تک جاری رہنے والا ہے۔اگر کوئی مسلمان

درخت لگاتا ہے تو اس سے کھایا جانے والا اور چوری ہونے والا ، جنگل کے درندوں اور پرندوں کی خوراک بننے والا حصہ اس کے لیے باعث اجر ہوگا۔درختوں وفصلوں کی سبز چادر زمین کا حسن اور زیور ہے، اس لیے بنجر زمین کی آباد کاری و کاشت کاری کا حکم دیا گیا ہے۔شجر کاری اور کاشت کاری کے بارے میں اسلامی تعلیمات و ہدایات واضح کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ پودے لگانا نسلِ انسانی کی خدمت ہے۔مسلم تاریخ کے مطالعہ سے مسلم حکم رانوں کی شجر کاری سے محبت والفت واضح ہوتی ہے۔باغات لگانا ان کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔

انسانی باقیات کی تدفین

اسلام میں انسانی باقیات کی تدفین کا تصور پایا جاتا ہے۔ اس سے شرفِ انسانیت کے اظہار کے ساتھ ماحولیاتی آلودگی کا سدّ باب بھی ہوتا ہے۔قرآن حکیم میں انسانی باقیات کو ٹھکانے لگانے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۔(المائدۃ:۳۱)

’’ پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھودنے لگا، تاکہ اسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔‘‘

انسانی باقیات جلاکر پانی میں اس کی راکھ بہانا نہ صرف انسانیت کی حرمت کے خلاف ہے، بلکہ فضائی اور آبی آلودگی کا بھی موجب ہے۔یہ غیر فطری عمل زندہ لوگوں کی صحت و زندگی کے لیے مضر ہے، جب کہ انسانی باقیات کی تدفین کا اسلامی طریقہ فطری ہے اور اس سے فضائی وآبی آلودگی کا سدّ باب بھی ہے۔اسی طرح ماحولیاتی آلودگی کا باعث بننے والی دیگر چیزوں کو زمین کی سطح پر پھینکنا اسلامی اصولِ طہارت کے خلاف ہے، بلکہ ایسی اشیا کو زمین کے اندر دفن کرنا ہی اسلامی اور ماحولیاتی تدبیر ہے۔

صاف ماحول کا اہتمام

زمین انسان کا گھر ہے اور اسلام گھر کا ماحول آلودہ اور گندا کرنے سے منع

کرتا ہے۔صفائی ستھرائی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔عام طور پر سلیم الفطرت شخص صاف ماحول میں رہنا پسند کرتا ہے اور دوسرے لوگوں سے بھی یہی توقع رکھتا ہے۔خالقِ کائنات کے ہاں صفائی و پاکیزگی محبوب عمل ہے۔اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو محبوب رکھتا ہے جو پاک اور صاف ماحول کا اہتمام وانتظام کرتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ. (البقرۃ:۲۲۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور صفائی ستھرائی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔''

صفائی وستھرائی کا اہتمام نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔آپؐ نے رہائش گاہوں اور میدانوں کو ہر قسم کی آلودگی وگندگی سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔آپ کا ارشاد ہے:

فَنَظِّفُوا أَفْنَاءَ كُمْ وَسَاحَاتِكُمْ. ۳۷

''پس اپنے گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھو۔''

آپؐ نے صفائی کو نصف ایمان قرار دیا ہے:

الطُّهُورُ شَطْرُ الإِيمَانِ. ۳۸

اس حدیث کی تشریح میں امام نوویؒ رقم طراز ہیں:

قِيلَ مَعْنَاهُ أَنَّ الْأَجْرَ فِيهِ يَنْتَهِي تَضْعِيفُهُ إِلَى نِصْفِ أَجْرِ الْإِيمَانِ۔ ۳۹

''کہا گیا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اجر اتنا زیادہ ہے کہ ایمان کے اجر کے نصف تک پہنچ جاتا ہے۔''

جدید سائنس سے ثابت ہو چکا ہے کہ گندا اور آلودہ ماحول مہلک وائرسز اور بیکٹیریا کے پھیلاؤ کا باعث ہے، جس سے انسانیت کو ناقابل تلافی جانی نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے۔موجودہ دور میں پھیلنے والے انتہائی خطرناک کرونا وائرس کا ایک حل ماحول کی صفائی وستھرائی ہے۔

اسلامی ماحولیاتی تنظیم

'اسلامک فاؤنڈیشن فار ایکولوجی اینڈ انوائرنمینٹل سائنس' ایک اسلامی ماحولیاتی

تنظیم ہے جو۱۹۹۳ء میں انگلینڈ کے شہر برمنگھم میں قائم ہوئی۔یہ دوسری ماحولیاتی تنظیموں کے ساتھ مل کر ماحولیاتی آلودگی کے تدارک کے لیے کوشاں ہے۔یہ تنظیم ماحولیات کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے'ایکواسلام' کے نام سے ماہ نامہ نیوز لیٹر شائع کرتی ہے۔اس میں اسلام اور ماحولیات کے بارے میں مختلف ماہرین کے مضامین شائع کیے جاتے ہیں اور دنیا بھر میں اسلامی ماحولیاتی تنظیم کے عالمی سطح پر پراجیکٹس کا تعارف کرایا جاتا ہے۔یہ تنظیم ملیشیا،انڈونیشیا،افریقہ اور دوسرے ممالک میں ماحولیات کے تحفظ کے مقصد سے ورک شاپس اور سیمینارز کا انعقاد کرتی ہے۔اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قدرتی ماحول کے تحفظ کے لیے اس تنظیم کا کام لائق تحسین ہے۔بین الاقوامی سطح پر اس کے عملی ایکو پراجیکٹس عالمی ماحولیاتی تنظیموں کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حواشی ومراجع

۱۔ ابوعبدالرحمٰن احمد بن خلیل،کتاب العین،دارومکتبۃ الہلال،۴۱۱/۸

۲۔ ابونصر الفارابی،الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ،دارالعلم للملایین،بیروت،۱۹۸۷ء،۳۷/۱

۳۔ ابن الاثیر،النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر،المکتبۃ العلمیۃ،-بیروت،۱۳۹۹،۱۵۹/۱

۴۔ ڈکشنری آف بایلوجی میں ہے:

Habitat:Refers to the natural home or dwelling :place of an organism.

تفصیل کے لیے رجوع کیجیے:

Reeta Rani, Dictionay of Biology,Anmol Publications,Pvt.Ltd. New Delhi, p.172

۵۔ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

Environment, the complex of physical chemical,and biotic factors that act upon an organism or an ecological community and ultimately determine its form and survival.(The New Encyclopedia of Britannica,Volume-3,p.512)

6- Eng. Akthtar K. Bhatti, Dr. Gul-e-Jannat,The Holy Quran On Environment, Royal Book Company,Karachi,1995, p.20

7- Raj, Gardeep, Dictionary of Environment,Anmol Publications, Pvt.Ltd., N.Delhi(India),1992, p.70

8- M. S. Rao, Dictionary of Geography, Anmol Publications, Pvt.Ltd., N.Delhi(India),p.137

9- Haroon Yahya(Adnan Oktar),The creation of the universe,Global Yayniclick,2005,,p.86

۱۰۔ محمد بن جریر طبری، جامع البیان فی تاویل القرآن (محقق: محمد احمد شاکر)، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ، ۲۰۶/۱۷

۱۱۔ محمد رشید بن علی رضا، تفسیر القرآن الحکیم (تفسیر المنار)، لہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۹۰م، ۴۴۸/۸

۱۲۔ ماہر ماحولیات گردیپ راج کے مطابق ماحول اور جان دار کے درمیان پائے جانے والے تعلق کا مطالعہ ایکولوجی کہلاتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: ڈکشنری آف انوائرنمنٹ، ص۔۶۷

13.The New Encyclopedia Britannica,Vol-4,p.354

۱۴۔ ڈکشنری آف انوائرنمنٹ کے مطابق:

Ecosystem;Refers to a community of interdependent organisms together with the environment which they inhabit and with which they interact e.g., a pond, an Oakwood.Raj, Gardeep, Dictionary of Environment, p.67

15- The New Encyclopedia Britannica, Vol-41978,p.359

۱۶۔ محمد رشید رضا، تفسیر القرآن الحکیم (تفسیر المنار)، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۹۰ء، ۲۵۷/۸

۱۷۔ روزنامہ دنیا لاہور، ۳؍دسمبر ۲۰۱۷ء

۱۸۔ ابن قیم الجوزیۃ، تفسیر القرآن الکریم، دار ومکتبۃ الہلال بیروت، 1410ھ؟، 432/1

19- Seyyed Nasr Hossein,The Need for a Sacred Science, Routledge, 2005,p.134

۲۰۔ روزنامہ جنگ لاہور، ۲۱؍مئی ۲۰۱۷ء

۲۱۔ عبدالمنان، پانی کا تحفظ اسلامی تناظر میں، ریسرچ جرنل القلم، ادارۂ اسلامیات، جامعہ پنجاب، لاہور، دسمبر ۲۰۱۹ء، ص۔۵۸۲

۲۲۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۷؍اکتوبر ۲۰۱۸ء

۲۳۔ روزنامہ جنگ لاہور،۲۳؍جولائی ۲۰۱۸ء
۲۴۔ کلیم صفات اصلاحی، ماہ نامہ معارف، دارالمصنفین اکیڈمی اعظم گڑھ (یو پی) انڈیا ستمبر ۲۰۱۸ء، ص۔۲۱۸
۲۵۔ صحیح مسلم، کِتَاب الطَّہَارَۃِ، بَابُ النَّہْیِ عَنِ الْبَوْلِ فِی الْمَاءِ الرَّاکِدِ، حدیث نمبر:۲۸۱
۲۶۔ ڈاکٹر ابوالحسن محمد شاہ، قرآنی تعلیمات اور ماحولیات، ضیائے حرم (ماہ نامہ) اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۷ء، ص۲۸
۲۷۔ روزنامہ ایکسپریس لاہور، ۳۰؍جنوری ۲۰۱۸ء
۲۸۔ روزنامہ جنگ لاہور، ۲۲؍جولائی ۲۰۱۸ء
29. Fazle Karim Khan,A Geography of Pakistan:Environment, People and Economy,Oxford University Press, Oxford,1991,p.69
۳۰۔ صحیح مسلم، بَابُ نَہْیِ مَنْ أَکَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا أَوْ کُرَّاثًا أَوْ نَحْوَہُ، حدیث نمبر:۵۶۴
۳۱۔ ممتاز حسین اور مسز سیدہ سائرہ حمید، مطالعہ ماحول، آزاد بک ڈپو، اردو بازار، لاہور ص۔۵۳
۳۲۔ روزنامہ جنگ، لاہور، ۳۱؍دسمبر ۲۰۱۸ء
۳۳۔ أبوبکر البیہقی، السنن الکبری، کِتَابُ الْمُزَارَعَۃِ، بَابُ مَا جَاءَ فِی قَطْعِ السِّدْرَۃِ، حدیث نمبر:۱۱۷۵۸
۳۴۔ ابن خلدون أبوزید، ولی الدین، تاریخ ابن خلدون، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ ۴۸۹/۲
۳۵۔ أبوعبداللہ محمد بن أحمد بن أبی بکر القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، دار الکتب المصریۃ، القاہرۃ ۱۳۸۴ھ، ۱۸/۳
۳۶۔ امام احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، مسند احمد، مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۲۱ھ، حدیث نمبر:۱۲۹۰۲
۳۷۔ أبویعلی أحمد بن علی بن المثنی بن یحیی بن عیسی بن ہلال التمیمی، الموصلی، مسند أبی یعلی، مُسْنَدُ سَعْدِ بْنِ أَبِی وَقَّاصٍ، حدیث نمبر:۷۹۱
۳۸۔ صحیح مسلم، کِتَابِ الطَّہَارَۃِ، بَابُ فَضْلِ الْوُضُوءِ، حدیث نمبر:۲۲۳
۳۹۔ أبو زکریا محیی الدین یحییٰ بن شرف النووی، المنہاج شرح صحیح مسلم، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۰۰/۳

تہذیب و سیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار

(مقالات سمینار)

مرتبین: ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحیؒ/مولانا محمد جرجیس کریمی

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کی جانب سے منعقدہ سمینار مؤرخہ ۲۳-۲۴/فروری ۲۰۱۴ء کے مقالات کا مجموعہ، جس میں تحریک اسلامی ہند کے اکابر اور قائدین کے خطبات کے علاوہ ملک کے ممتاز مفکرین اور دانش وروں کے کل چھتیس (۳۶) مقالات شامل ہیں۔ ان مقالات میں تہذیب و سیاست کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں مغربی اور اسلامی تہذیبوں کے اجزائے ترکیبی، ان کے درمیان موجود فرق و امتیازات، تہذیبوں کے تصادم کا موجودہ نظریہ، امت مسلمہ کی موجودہ تہذیبی و سیاسی صورت حال، قرآن مجید اور احادیث نبوی میں حکومت و سیاست کے تصورات، موجودہ طریقۂ انتخاب، پارلیمانی نظامِ حکومت، تکثیری معاشرے کے مسائل جیسے اہم مباحث اور معروف علمائے سلف اور جدید مفکرین کی وقیع کتب کے تجزیاتی مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔

یہ ایک ایسی دستاویز ہے، جو قوم و ملت کی علمی رہ نمائی اور موجودہ پیچیدہ حالات کے تقاضوں کے فہم و ادراک اور اس کی روشنی میں اپنے لائحۂ عمل کی تعیین میں ممدّ و معاون ثابت ہوگی۔

دیدہ زیب ٹائٹل، بہترین کاغذ اور معیاری طباعت

کل صفحات ۸۳۶، قیمت: ۶۰۰ روپے صرف

ملنے کے پتے

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، جمال پور، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، D-307، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

اسلام اور گاندھی جی کے افکار
ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد اسامہ

گاندھی جی ماضی قریب میں اس ملک کے سب سے بڑے سیاسی راہ نما تھے۔ ان کی قیادت میں ملک کو آزادی ملی۔ ان کی مذہبی حیثیت بھی مسلّم ہے۔ موجودہ حالات میں، جب کہ اسلام کو ہر طرف ہدفِ تنقید بنایا جارہا ہے، خاص طور پر ہمارے ملک میں اس کے خلاف جس طرح فضا مکدّر کی جارہی ہے ،اس میں گاندھی جی کے خیالات قابل غور ہیں۔اسلام کے بارے میں ان کے خیالات،اس کی تعلیمات سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہیں،لیکن انہوں نے رواداری اور مذاہب کو سمجھنے کی جو دعوت دی ہے وہ اہمیت کی حامل ہے۔ امید ہے، یہاں کا متعصب طبقہ اس پر غور کرے گا۔(جلال الدین)

موہن داس کرم چند گاندھی (۱۸۶۹ء-۱۹۴۸ء) ایک عظیم سیاست داں، مذہبی وسماجی مصلح،انسانیت کے بڑے مبلّغ اور قومی یکجہتی کے علم بردار تھے۔ وہ گوناگوں خصوصیات کے مالک تھے۔انہوں نے ایک طرف جنگ آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا تو دوسری طرف ہندو مسلم اتحاد کی بھی کوشش کی ۔ان کی پوری زندگی حق کی تلاش میں گزری ۔شاید اسی وجہ سے انہوں نے اپنی آپ بیتی کا نام بھی 'تلاشِ حق' رکھا ہے۔ان کے افکار ونظریات ان کے بیانات، تقاریر اور تصنیفات میں موجود ہیں۔ اس مقالے میں اسلام کے بارے میں ان کے افکار کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

مختصر سوانح حیات

گاندھی جی کا ٹھیاواڑ میں پور بندر کے ایک مذہبی گھرانے میں ۲/اکتوبر ۱۸۶۹ء

کو پیدا ہوئے۔ان کے والد کرم چند گاندھی ہندو مودھ فرقہ سے تھے اور والدہ پتلی بائی کا تعلق ہندو پرنامی ویشنو فرقہ سے تھا۔ابتدائی تعلیم انہوں نے راج کوٹ کے پرائمری اسکول میں حاصل کی۔انگلینڈ میں وکالت سیکھی اور واپس ہندوستان آ کر اسی میدان میں معاش کی تلاش شروع کی۔سیٹھ عبدالکریم نے ۱۸۹۳ء کے آغاز میں گاندھی جی کو بطور وکیل جنوبی افریقہ بلایا، نیز اسی ملک میں وہ حکومت وقت کی جانب سے ہندوستانیوں پر ہونے والے ظلم وزیادتی سے واقف ہوئے اور انہوں نے ۱۸۹۴ء میں 'نٹال انڈین کانگریس' (Natal Indian Congress) نامی تنظیم کے ذریعے ہندوستانیوں کے حقوق کے لیے اپنی آواز بلند کی۔ان حالات نے انہیں سیاست کی طرف مائل کیا اور پھر انہوں نے ہندوستان میں بھی مختلف تحریکوں کی قیادت کی اور بعض میں حصہ بھی لیا، جیسے ستیہ گرہ تحریک، خلافت تحریک، ڈانڈی مارچ، عدم تشدد تحریک، عدم تعاون تحریک اور آزادی کی تحریک وغیرہ۔ ہندوستانی عوام نے ان کی خدمات اور قربانیوں سے متاثر ہو کر انہیں 'مہاتما'، 'باپو' اور 'بابائے قوم' کے خطابات سے نوازا۔انہوں نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ان میں سے کچھ تو مضامین کی صورت میں ہیں اور بعض کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں، جیسے ہندو مذہب کیا ہے؟، گرہست جیون، ارگیہ دگ درشن، میری رائے، رہ نمائے صحت، مذہب اور دھرم، شریمد بھگوت گیتا، تلاشِ حق اور سوراج ہند وغیرہ۔انہیں ناتھو رام گوڈسے نے ۳۰؍جنوری ۱۹۴۸ء میں گولی مار کر قتل کر دیا تھا۔

مطالعۂ اسلام کے اسباب

مہاتما گاندھی کا تعلق ایک ایسی سرزمین سے تھا جہاں مسلمان قدیم زمانے سے آباد رہے ہیں۔اگرچہ ان کی اکثریت کا پیشہ تجارت تھا، لیکن اپنے قول وعمل کی وجہ سے وہ اکثر ہندوؤں کی مجلسوں میں زیر بحث رہتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ وہ شروع سے مسلمانوں کی سماجی، معاشی اور سیاسی حیثیت سے واقف رہے۔[۱] نیز ان کا گھرانہ کلیۃً مذہبی تھا اور ان کے والد محترم کے احباب میں مسلمان علمائے کرام بھی شامل تھے، جن

سے وہ مذہبی امور سمیت دیگر معاملات میں گفت وشنید کیا کرتے تھے۔ اس ماحول نے گاندھی جی کے مزاج میں مذہبی رواداری پیدا کی اور انہوں نے دیگر مذاہب کا احترام کرنا سیکھا۔ یہی رویہ انہیں اسلام کے مطالعے کی طرف لے جانے میں معاون ثابت ہوا۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے وہ خود ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''البتہ راج کوٹ میں یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مجھے ابتدا ہی سے ہندو مذہب کی تمام شاخوں اور دوسرے مذہبوں کے ساتھ رواداری برتنے کی تربیت ملی، کیوں کہ میرے والدین 'حویلی' میں بھی جاتے تھے اور شیو اور رام مندر میں بھی اور ہم سب لڑکوں کو ساتھ لے جاتے تھے.....اس کے علاوہ ان کے مسلمان اور پارسی دوست بھی تھے، جو ان سے اپنے اپنے مذہب کی باتیں کیا کرتے تھے اور وہ ہمیشہ ادب سے اور اکثر دل چسپی سے سنا کرتے تھے۔ میں ان کا تیمار دار تھا، اس لیے مجھے اکثر یہ گفتگو سننے کا موقع ملتا تھا۔ ان سب باتوں نے مل کر مجھے سب مذہبوں سے رواداری کرنا سکھایا۔''[۲]

گاندھی جی نے اپنے والد کی روایت کو برقرار رکھا، چناں چہ ان کے بھی بہت سے مسلمان دوست رہے، چاہے وہ ہندوستان میں ہوں یا دیگر ممالک میں، نیز ہر جگہ مسلمانوں نے کسی نہ کسی شکل میں ان کا ساتھ دیا۔ اس کا فائدہ انہیں یہ ہوا کہ وہ اسلام، اس کی تعلیمات، تہذیب وثقافت، تاریخ اور بنیادی مآخذ سے واقف ہو گئے۔ وہ خود بھی اپنی تحریروں میں مختلف واقعات کے ذیل میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان کے اہم دوستوں میں لطیف بھائی، عثمان بھائی، شیخ مہتاب، عباس طیب جی، پیر محمد مونس، منظر علی سوختہ، عبدالصمد خاں، مولانا عبدالباری، مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر مختار انصاری، ڈاکٹر عبدالرحمٰن، شعیب قریشی، آصف علی، رفیع احمد قدوائی، حکیم محمد اجمل خاں، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر ذاکر حسین، امۃ الاسلام، مولانا حسرت موہانی اور مولانا محمود حسن وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

باپو جی کو اسلام کے مطالعے کی طرف مائل کرنے میں غیر ہندوستانی مسلمانوں

کا بھی اہم کردار رہا۔لندن میں دوران تعلیم ان کا تعلق 'انجمن اسلامیہ' کے ممبروں سے ہوا، جن میں جناب مظہر الحق، جناب عبدالرحیم، جناب محمد شفیع خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح سیٹھ دادا بھائی عبداللہ انہیں وکالت کے سلسلے میں افریقہ لے گئے، جہاں کئی مسلمان نہ صرف ان کے دوست بنے، بلکہ ان لوگوں نے گاندھی جی کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا۔ان میں نٹال کانگریس کے صدر سیٹھ عبدالکریم، سکریٹری آدم جی میاں خان، حاجی آدم زوبری، بیرسٹر آر۔کے خان، سیٹھ عبدالقادر، سیٹھ داؤد محمد، ستیہ گرہ ایسوسی ایشن کے صدر یوسف میاں اور میر عالم پٹھان وغیرہ سرفہرست ہیں۔[۳] گاندھی جی کو سیٹھ عبداللہ نے اسلام کے تعلق سے کافی معلومات دیں۔انہوں نے اس کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

> ''سیٹھ عبداللہ کو اس بات پر فخر تھا کہ ان کا مذہب اسلام ہے اور اس مذہب کے فلسفے پر تقریر کرنے کا انہیں بڑا شوق تھا۔وہ عربی نہیں جانتے تھے، مگر قرآن مجید کی تفسیر اور عام اسلامی علوم میں خاصا دخل رکھتے تھے۔مثالیں انہیں بہت کثرت سے یاد تھیں اور جب چاہتے تھے ان سے کام لیتے تھے۔ان کی صحبت میں مجھے اسلام سے اچھی خاصی عملی واقفیت ہوگئی۔ جب ہم دونوں میں بے تکلفی ہوگئی تو ہم اکثر مذہبی مسئلوں پر بحث کیا کرتے تھے۔[۴]

گاندھی جی ایک اور جگہ اسی حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''عبداللہ سیٹھ برابر مجھے اسلام کے مطالعے کی ترغیب دیتے رہتے تھے اور ہمیشہ اس کی کوئی نہ کوئی خوبی بیان کرتے تھے..... میں نے سیل کا ترجمۂ قرآن خرید کر اس کا مطالعہ شروع کیا اور اسلام کے متعلق اور کتابیں بھی مہیا کیں۔[۵]

درج بالا اسباب کی بنا پر گاندھی جی نے اسلام کا اس قدر مطالعہ کرلیا تھا کہ انہیں قرآن کریم کی متعدد آیات مع ترجمہ، نبی کریم ﷺ کی سوانح حیات اور ان کے مختلف ارشادات ،خلفائے راشدین کے احوال و کوائف اور اسلامی تاریخ وغیرہ سے

ضروری واقفیت ہوگئی اور وہ ان کے حوالے بھی اپنی تحریروں اور تقریروں میں دینے لگے۔نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض کٹر ہندوؤں،متعصب عناصراورفرقہ پرست تنظیموں نے ان کی مخالفت شروع کر دی اور اس حوالے سے ان پر کثرت سے طنز وتشنیع کے تیر برسائے۔ جواب میں انہوں نے کہا:

''چہ می گوئیاں ہورہی ہیں کہ میں اپنے مسلمان دوستوں سے زیادہ سے زیادہ ربط وضبط رکھنے کی وجہ سے ہندو ذہن کو سمجھنے کے لائق نہیں رہا۔ میں یقیناً اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ ہندو ذہن کو سمجھنے کے لیے ہندوؤں میں رہوں، جب کہ میرا رواں رواں ہندو ہے۔میرا ہندومت بڑی حقیر چیز ہوتا،اگر وہ مخالف فضاؤں میں رہ کر پروان نہ چڑھ سکے۔میرا ضمیر مجھے بتاتا ہے کہ ہندومت کی ضروریات کیا ہیں؟مگر مسلم ذہن کو سمجھنے کے لیے مجھے سخت جدوجہد کرنی ہوگی۔میں اچھے مسلمانوں کے جس قدر قریب رہوں گا،اتنا ہی مجھے مسلمان اور ان کے کاموں کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔''[۶]

اسلام کے بارے میں افکار

یوں تو مہاتما گاندھی نے اسلام پر باقاعدہ کوئی کتاب تصنیف نہیں کی،لیکن ان کی مختلف تحریروں اور تقریروں میں بعض افکار ونظریات ضرور ملتے ہیں۔البتہ یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کو ان کی فکر سے یقیناً اختلاف ہوسکتا ہے،لیکن اسے یہ ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ وہ مسلمان نہیں، بلکہ ہندو تھے اور نہ ان کا کوئی ایسا دعویٰ تھا کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے قلم بند کیا ہے۔

(الف) مذہب

گاندھی جی کی پیدائش اور پرورش مذہبی گھرانے میں ہوئی،اس لیے مذہب سے ان کی شناسائی شروع سے ہی رہی۔وہ مذہب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تم میری زندگی اور بودوباش کی حالت کو دیکھو،کس طرح میں کھاتا

ہوں، بیٹھتا ہوں، بولتا ہوں، عام طور پر دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں، ان سب باتوں کا جو کچھ حاصل میرے اندر ہے وہی مذہب ہے۔''[۷]

مذہب کے حوالے سے ان کا نظریہ بالکل واضح تھا کہ ہر انسان کا کسی مذہب سے جڑا ہونا ضروری ہے، نیز اس کے تمام اعمال و افعال اس کے اختیار کردہ مذہب کے مطابق ہونے چاہئیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

I could not live for a single second without religion. Many of my friends despair of me because they say even my politics are derived from religion. And they are right. My politics and all other activities of mine are derived from my religion. I go further and say that every activity of man of religion must be derived from his religion because religion means being bound to God.(8)

''میں مذہب کے بغیر ایک سیکنڈ کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکا۔ میرے بہت سے دوست اس سے پریشانی محسوس کرتے ہیں، کیوں کہ ان کا کہنا ہے کہ میری سیاست تک مذہب پر استوار ہوتی ہے اور وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ میری سیاست اور میری دوسری سرگرمیاں بھی میرے مذہب سے نکلی ہیں۔ میں اس سے بھی آگے جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ایک مذہبی آدمی کا ہر عمل اس کے اپنے مذہب سے نکلنا ہونا چاہیے، کیوں کہ مذہب کا مطلب ہے خدا سے جڑے رہنا۔''

گاندھی جی اسی وجہ سے مذہب کو انسانی معاشرے کا لازمی حصہ مانتے تھے، حتیٰ کہ اسے سیاست سے بھی الگ نہیں کرتے تھے۔ وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''میری ابھی تک یہی رائے کہ میں سیاست سے مذہب کے جدا ہونے کا تصور ہی نہیں کرسکتا۔ درحقیقت مذہب کو تو ہمارے ہر فعل پر حاوی ہونا چاہیے۔ لیکن اس صورت میں مذہب کے معنیٰ فرقہ پرستی کے نہیں ہیں، اس کے معنیٰ تو دنیا کی ایک منظّم اخلاقی حکومت پر اعتقاد رکھنے کے ہیں۔''[۹]

درج بالا عبارت سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ گاندھی جی مذہب پر یقین رکھتے تھے،لیکن کیا وہ ایک مذہب کو صحیح مانتے تھے یا تمام مذاہب کو؟ ان کے افکار ونظریات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام مذاہب کو سچا اور ایک جیسا مانتے تھے اور ان میں کسی قسم کی تفریق کے قائل نہیں تھے،یعنی ایک طرح سے وہ وحدتِ ادیان کے قائل تھے۔نیز وہ ہر مذہب میں سچ،عدم تشدد اور مساوات کا نظریہ تلاش کرتے تھے۔انہوں نے لکھا ہے:

''طویل مطالعہ اور تجربے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ(۱) تمام مذاہب سچے ہیں۔(۲) تمام مذاہب میں کچھ نہ کچھ غلطیاں بھی ہیں۔ (۳) تمام مذاہب مجھے اتنے ہی عزیز ہیں جتنا کہ خود میرا ہندو دھرم۔بالکل اسی طرح جس طرح ہر انسان کو تمام انسان اتنے ہی عزیز ہونے چاہیے جتنے کہ خود اس کے اعزّا ہیں۔تو دوسرے مذاہب کا احترام بھی اتنا ہی کرتا ہوں جتنا کہ خود اپنے مذہب کا۔''[۱۰]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سارے مذاہب ایک ہیں اور ایک راستے کی طرف لے جاتے ہیں تو پھر آخر دنیا میں اتنے مذاہب کیوں ہیں؟اس کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ روح ایک ہے،لیکن جسم،جن میں وہ سماتی ہے،بہت سے ہیں۔ہم جسموں کی تعداد تو کم کر نہیں سکتے،لیکن روح کی وحدت کو پہچان سکتے ہیں۔جس طرح درخت کا تنا ایک ہوتا ہے اور شاخیں اور پتیاں بہت سی،اسی طرح کامل اور سچا مذہب تو ایک ہی ہے، لیکن بہت سے انسانی ذہنوں میں سے گزرنے کی وجہ سے ایک مذہب کے متعدد مذہب ہو جاتے ہیں۔اس واحد مذہب کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔''[۱۱]

شاید اسی لیے گاندھی جی جبری تبدیلیٔ مذہب کے قائل نہیں ہیں اور نہ کسی مذہب کو،خواہ وہ ہندو دھرم ہو یا اسلام اور عیسائیت،اس کی اجازت دیتے ہیں۔دلیل میں وہ قرآن کریم کی آیت کریمہ 'لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن(البقرۃ:۲۵۶) اور رسول اللہ ﷺ

کا طرزِ عمل پیش کرتے ہیں۔[۱۲]

(ب) اسلام

گاندھی جی اسلام کو ایک سچا اور صحیح مذہب تسلیم کرتے تھے۔اس کا مطالعہ انہوں نے اپنے مسلم دوستوں کی مدد سے کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ بدھ مت، عیسائیت اور ہندو دھرم کی طرح ایک الہامی اور امن پسند مذہب ہے اور اس کے اندر بہت سی ایسی خوبیاں ہیں جو اسے عدم رواداری اور تنگ نظری سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔اسلام کے متعلق انہوں نے ۱۰؍دسمبر۱۹۳۳ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اساتذہ اور طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''اسلام دوسرے مذاہب کے تئیں رواداری کا درس دیتا ہے۔اس نے یہ کبھی نہیں کہا کہ دوسرے مذاہب جھوٹے ہیں۔دراصل وہی شخص سچا ہوتا ہے جو دوسروں کی بھلائی کرتا ہے۔یہی اصول قرآن کا ہے اور یہی دوسرے مذاہب کی تعلیمات ہیں۔''[۱۳]

باپو جی ہندو تہذیب و تمدن کی طرح اسلامی تہذیب و تمدن اور بالخصوص اس کے عدم تشدّد کے نظریہ سے متاثر نظر آتے ہیں اور ان کے نزدیک ہندوستان کو اس سے قابلِ قدر فائدہ پہنچا ہے، نیز وہ ان مسلمانوں پر شدید تنقید کرتے ہیں جو مذہبی رواداری کے قائل نہیں ہیں، البتہ وہ اس کا ذمہ دار اپنوں کو ہی ٹھہراتے ہیں۔انہوں نے لکھا ہے:

> ''اسلام کی تاریخ میں اگر اخلاقی برائیاں ہیں تو اس کے بہت سے صفحات روشن بھی ہیں۔اپنی عظمت کے زمانے میں اسلام غیر فرقہ وارانہ تھا۔ساری دنیا اس کی تعریف کرتی تھی.....اسلام جھوٹا مذہب نہیں ہے۔ہندو ذرا اسے پڑھیں تو اس کو پسند کریں گے، جس طرح میں پسند کرتا ہوں۔اگر اب مسلمان سخت اور متعصب ہو گیا ہے تو ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ اس کو ایسا بنانے میں ہمارا حصہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔''[۱۴]

گاندھی جی نے اسلام کی خصوصیات بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی مانا ہے کہ

اس کی اشاعت تلوار کے ذریعے سے ہوئی،لیکن وہ اس کے اسباب حالات،وقت اور ماحول کوقرار دیتے ہیں۔لکھتے ہیں:

''میں اپنی اس رائے کا اظہار کر چکا ہوں کہ اسلام کے پیروکار تلوار کے استعمال میں ذرا زیادہ آزاد رہے،لیکن یہ قرآن کی تعلیم کا نتیجہ نہیں۔یہ نتیجہ ہے اس ماحول کا جس میں اسلام نے جنم لیا تھا۔قرآن نے بزور شمشیر اسلام کی توسیع کی تعلیم کبھی نہیں دی۔مقدس کتاب میں یہ بات صاف لفظوں میں درج ہے ۔مذہب میں کسی جبر کی گنجائش نہیں اور حضرت محمدؐ کی ساری زندگی مذہبی معاملوں میں جبر کی نفی کرتی ہے۔جہاں تک مجھے علم ہے،کسی مسلمان نے جبر وزبردستی کو پسند نہیں کیا ہے۔اگر اسلام نے توسیع وتبلیغ کے لیے طاقت پر تکیہ کیا ہوتا تو ظاہر ہے کہ یہ ایک عالمی مذہب نہ بن پاتا۔''۱۵

(ج)خدا

مہاتما گاندھی خدا پر یقین رکھتے تھے۔اس سلسلے میں ان کے نظریات اسلام کے بالکل عین مطابق تو نہیں تھے،لیکن اس سے کافی حد تک مشابہ ضرور تھے، جیسے مسلمانوں کا ہمیشہ سے توحید یعنی ایک خدا پر یقین رہا ہے اور یہ ان کے بنیادی عقائد میں سے ہے ،نیز انہیں اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات یعنی الرزاق،السمیع،العلیم اورالخبیر وغیرہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔اسی طرح باپو جی بھی ایک خدا اوراس کی خصوصیات کو ماننے والے تھے،نیز وہ اس میں کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔۱۶ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''ایشور ایک ہے،وہ ہر جگہ حاضر اور ناظر ہے،وہ بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے،بغیر کانوں کے سنتا ہے،وہ نراکاراور لا محدود ہے،وہ پیدا نہیں ہوتا۔اس کا نہ باپ ہے،نہ ماں،نہ اولاد،پھر بھی وہ ان ناموں سے پکارا جاتا ہے اور لوگ ان شکلوں میں اس کی پوجا کیا کرتے ہیں جسے وہ منظور کر لیتا ہے۔یہاں تک کہ مورتی پوجا کے روپ میں بھی پوجا کو منظور کرتا ہے،حالاں کہ اس کی کوئی مورتی نہیں ہوسکتی۔وہ ہاتھ

نہیں آتا، چکمہ دے کر نکل جاتا ہے۔اگر ہم اسے پہچان لیں تو وہ ہمارے بالکل نزدیک ہے اور اگر ہم اس کے حاضر اور ناظر ہونے کو نہ مانیں تو وہ ہم سے بہت دور ہے۔[۱۷]

گاندھی جی ایک طرح سے وحدتِ ادیان کے قائل تھے اور ان کے نزدیک سارے مذاہب خدا کی طرف لے جانے والے تھے، چناں چہ اس فکر کا اثر خدا کے تصور پر بھی ہوا۔ان کے مطابق سب کا خدا ایک ہے، چاہے ہم اسے قرآن کے ذریعے پائیں یا انجیل، ژند، اوستا، تلمود یا گیتا کے ذریعے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اتنا ہی نہیں، وہ اپنی تحریروں میں خدا پر یقین نہ رکھنے والوں کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور انہیں آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا سمجھنے والوں کے لیے صرف اور صرف بربادی ہے:

''آج کل تو یہ ایک فیشن سا بن گیا ہے کہ زندگی میں ایشور کی کوئی جگہ نہیں سمجھی جاتی اور سچے ایشور میں کامل یقین رکھے بغیر ہی اونچے درجے کی زندگی تک پہنچنے کی کوشش پر زور دیا جاتا ہے.....لیکن میرا اپنا تجربہ تو مجھے اس علم کی طرف لے جاتا ہے جس کے قاعدے کے مطابق ساری دنیا کا انتظام ہوتا ہے۔اس دائمی اصول پر پختہ یقین رکھے بغیر مکمل زندگی ممکن نہیں ہے۔اس یقین سے خالی انسان کی حالت تو سمندر کی اس بوند کی طرح ہے جو سمندر سے الگ ہوگئی ہے اور اس کی بربادی یقینی ہے۔''[۱۸]

گاندھی جی اس سوال کے جواب میں-کہ ایشور کہاں ہے؟-کہتے ہیں کہ میں بنی نوع انسان کی خدمت کے ذریعہ ایشور-نجات ابدی-حاصل کرنا چاہتا ہوں۔کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ ایشور نہ جنت میں ہے اور نہ کہیں اور، وہ ہر ایک کے دل میں ہے۔[۱۹] ان کے تصورِ خدا کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسے دنیا کی تمام چیزوں میں موجود سمجھتے ہیں، یعنی خدا ہر جگہ موجود ہے، چناں چہ وہ اسے جہاں ایک طرف مورتیوں، پہاڑوں اور سمندروں میں تلاش کرتے ہیں، وہیں دوسری طرف سچائی، صداقت اور عدم تشدد میں بھی اس کا وجود پاتے ہیں۔ان کا ماننا تھا کہ سچ ہی میرا بھگوان ہے اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ عدم تشدد ہے۔اس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ 'وحدۃ الوجود' کے نظریے کے قائل

تھے۔اس کی تائید ان کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے:

''وہ ایک ہے، وہ لاتعداد ہے، وہ ذرہ سے بھی چھوٹا اور ہمالیہ سے بھی بڑا ہے۔سمندر کی ایک بوند میں بھی سما سکتا ہے اور دنیا بھر کے سمندروں سے بھی وہ بہت بڑا ہے۔اسے جاننے کے لیے عقل کام نہیں دے سکتی۔وہ تو عقل سے پرے ہے۔''۲۰

اس کے باوجود عجیب بات یہ ہے کہ گاندھی جی خدا کے تصور میں ایک کش مکش کا شکار نظر آتے ہیں۔ایک طرف وہ کہتے ہیں کہ ایشور ان لوگوں کے لیے فرد واحد ہے جو اسے اس شکل میں حاضر دیکھنا چاہتے ہیں، جو اسے چھونا چاہتے ہیں، ان کے لیے وہ جسمانی شکل اختیار کرتا ہے۔۲۱ وہیں دوسری طرف وہ کہتے ہیں:

God is not a person..... God is the force. He is the essence of life. He is pure and undefiled consciousness. He is eternal. And yet, strangely enough, all are not able to derive either benefit from or shelter in the all-pervading living presence.(22)

''خدا کوئی شخص نہیں ہے، وہ پاک اور منزّہ ہے۔ وہ ازلی و ابدی ہے، تاہم یہ عجیب بات ہے کہ کوئی بھی شخص نہ تو اس کی ہر جگہ جاری و ساری موجودگی سے فائدہ اٹھا پاتا ہے اور نہ کوئی پناہ۔''

غالباً اس کی وجہ یہ رہی کہ انہوں نے خدا کی معرفت حاصل نہیں کی۔اس کا اعتراف کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''مجھے نہ خدا کا دیدار نصیب ہوا نہ اس کی معرفت حاصل ہوئی۔ساری خدائی کو خدا کا قائل دیکھ کر میں بھی قائل ہو گیا۔مگر میرا عقیدہ اتنا راسخ ہے کہ میں اسے تجربے کے برابر سمجھتا ہوں۔ممکن ہے کہ لوگ یہ اعتراض کریں کہ عقیدے کو تجربہ کہنا حق کا منہ چڑانا ہے۔اس لیے غالباً یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ مجھے خدا پر جو عقیدہ ہے اسے بیان کرنے کے لیے

مجھے کوئی موزوں لفظ نہیں ملتا۔''۲۳

(د) رسول

مہاتما گاندھی نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تسلیم کرتے تھے۔آپؐ سے ان کا تعارف تھامس کارلائل(Thomas Carlyle) کی تحریروں سے ہوااور وہ آپؐ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے۔اس کا تذکرہ انہوں نے اپنی سوانح عمری میں کیا ہے:

''ایک دوست نے مجھے کارلائل کی 'ہیرواینڈ ہیروورشپ' پڑھنے کی ہدایت کی۔میں نے اس کا ایک باب 'ہیرو بہ حیثیت پیغمبر کے' پڑھا اور مجھ پر پیغمبر اسلام کی عظمت،شجاعت اور زہد و اتقا کی حقیقت منکشف ہوئی۔''۲۴

گاندھی جی نے واشنگٹن ارونگ(Washington Irving) کی سیرت کے موضوع پر لکھی ہوئی کتاب(Mahmet and his Succesors) کا بھی مطالعہ کیا تھا اوراس سے انہیں آپؐ کی عظمت رفتہ کا بخوبی اندازہ ہوا۔لکھتے ہیں:

''میں نے واشنگٹن ارونگ کی کتاب' حضرت محمد اور ان کے خلفاء' کی سیرت کو پڑھا۔اس کی بدولت میری نظر میں آں حضرتؐ کی عظمت اور زیادہ ہوگئی۔''۲۵

گاندھی جی اس کتاب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اس کا ترجمہ اپنے اخبار'انڈین اوپینین' میں شائع کرنا شروع کیا۔ایک یا دو باب ہی شائع ہوئے تھے کہ مسلمانوں نے اس کی بعض باتوں کے خلاف احتجاج شروع کردیا۔انہوں نے افہام و تفہیم کی کوشش کی،لیکن مسئلہ حل نہ ہوسکا۔بالآخر ترجمہ کی اشاعت روک دی گئی۔نیز وہ سید امیر علی کی کتاب'اسپرٹ آف اسلام' کا گجراتی زبان میں ترجمہ شائع کرانا چاہتے تھے،لیکن کسی وجہ سے یہ کام بھی نہ ہوسکا۔۲۶ انہوں نے یروڑا جیل میں علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی کا بھی مطالعہ کیا تھااور وہ ان کے اندازِ تحقیق سے بہت متاثر ہوئے تھے۔۲۷ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انھوں نے قرآن کے پس منظر میں ایک جگہ لکھا ہے کہ

مرحوم حکیم اجمل خان نے مجھے مولانا شبلی کا ایک ترجمہ دیا تھا۔[۲۸]

گاندھی جی کو ارشادات رسولؐ سے بھی دل چسپی تھی۔ انھوں نے عبداللہ سہروردی کی کتاب 'The Sayings of Mohammad' کے Foreword میں لکھا ہے:

> I have read Sir Abdullah Suhrawardy's collections of the sayings of the Prophet with much interest and profit. They are among the treasures of mankind, not merely Muslims.(29)
>
> ''میں نے سرعبداللہ سہروردی کا مجموعۂ احادیث بڑی دل چسپی اور شغف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں، بلکہ نوع انسانی کے خزانوں میں سے ہیں۔''

گاندھی جی کی آپؐ سے محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایک گستاخ رسول نے 'رنگیلا رسول' کے نام سے کتاب لکھی تو اس پر انہوں نے سخت اعتراض کیا اور ہندوؤں کو سمجھاتے ہوئے لکھا:

> ''مسلمانوں کے خلاف ایسی تحریروں کو روکنا جیسی کہ 'رنگیلا رسول' ہے، ہندوؤں کا کام ہے، جس طرح ہندوؤں کے خلاف تحریروں کو روکنا مسلمانوں کا کام ہے۔ یا تو یہ بات لیڈروں کے قابو سے باہر ہوگئی ہے، یا وہ ان حرکتوں کی تائید کرتے ہیں۔''[۳۰]

گاندھی جی نے نبی کریم ﷺ کی خدمات اور نسل انسانی پر آپؐ کے احسانات کے اعتراف آپؐ کو انہیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

> Muhammad was a great Prophet. He was brave and feared no man but God alone. He was never found to say one thing and do another. He acted as he felt. The Prophet was a Faqir, he could have commanded wealth if he had so desired. I shed tears when I read of the privations, he, his family and companions suffered voluntarily. How can a

truth-seeker like me help respect one whose mind was constantly fixed on God, who ever walked in God's fear and who had boundless compassion for mankind.(31)

''محمدؐ ایک عظیم پیغمبر تھے۔ وہ بہادر تھے اور خدا کے علاوہ کسی بھی انسان سے نہیں ڈرتے تھے۔ ایسا کبھی نہیں پایا گیا کہ وہ کہیں ایک بات اور کریں دوسری بات۔ وہ اسی کے مطابق عمل کرتے تھے جیسا وہ محسوس کرتے تھے. پیغمبر (اسلام) ایک فقیر تھے۔ اگر وہ چاہتے تو دولت کے مالک ہوگئے ہوتے۔ جب میں نے اس تنہائی کے بارے میں پڑھا جس کا انہیں، ان کے خاندان اور ساتھیوں کو سامنا کرنا پڑا، تو میں رُو پڑا۔ کوئی میرے جیسا حق کا متلاشی کس طرح ایک ایسے شخص کے احترام سے باز رہ سکتا ہے جس کا دماغ مستقلاً خدا پر مرکوز رہتا تھا، جو ہمیشہ خدا کے خوف میں رواں دواں رہتا تھا اور جو عالم انسانیت کے لیے لامحدود رحم دلی رکھتا تھا۔''

(ہ) قرآن

گاندھی جی قرآن کریم کو الہامی کتاب[۳۲] تسلیم کرتے تھے اور اس کی تعلیمات سے بہت متاثر تھے، البتہ یہ ماننا مشکل ہے کہ وہ کتاب اللہ کی تمام آیتوں اور اس میں درج احکام سے کلیۃً اتفاق کرتے تھے۔ انہوں نے بسا اوقات بعض جگہوں پر اختلاف بھی کیا ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کبھی نہ تو اس پر تنقید کی اور نہ قرآن مخالف الفاظ کہے، بلکہ اسے اپنی ناواقفیت اور کم علمی پر محمول کیا ہے۔ اس ذیل میں وہ لکھتے ہیں:

''میں نے کہیں یہ نہیں کہا ہے کہ میں قرآن کے ہر حرف پر یقین رکھتا ہوں.....لیکن یہ کام میرا نہیں کہ میں دوسرے مذہبوں کی کتابوں پر نکتہ چینی کروں.....ایسی باتوں کے متعلق جو میرے لیے دشوار ہوتی ہیں، میں دین دار مسلمان دوستوں کی مدد سے ان کو دیکھتا ہوں اور میں ان کو

اسلام کے مشہور مفسرین کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں اس بات کا دعویٰ کرتا ہوں کہ میں نے ایک بے غرض طالب علم کی طرح قرآن کا مطالعہ کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قرآن کی تعلیمات کے اصلی اجزا عدم تشدد کے موافق ہیں۔''[۳۳]

گاندھی جی کو قرآن سے خصوصی شغف رہا۔ اس میں جنوبی افریقہ میں ان کے مسلم ساتھیوں کا اہم کردار رہا ہے، جنہوں نے ان کو قرآن مجید کے مطالعے کی طرف توجہ دلائی۔ یہ سلسلہ ہندوستان میں بھی جاری رہا، بالخصوص ڈاکٹر محمد علی اور جناب پکتھال نے انہیں قرآن کا ترجمہ بطور ہدیہ پیش کیا۔ مؤخر الذکر نے خود بھی قرآن کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ گاندھی جی نے ان تراجم کی مدد سے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی اور پھر اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس کے حوالے دینے لگے تھے۔ مثال کے طور پر وہ روحانی طاقت کے حصول کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن کا ہر صفحہ مجھے، جو ایک نامسلم ہوں، یہی عظیم سبق سکھاتا ہے کہ قرآن کی ہر سورۃ خدائے رحیم و کریم کے نام سے شروع ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں روحانی حیثیت سے طاقت ور ہونا چاہیے، خواہ ہمارا جسم کتنا ہی کم زور ہو۔[۳۴]

گاندھی جی نے قرآن کریم کی روشنی میں جن موضوعات کا انتخاب کیا ہے ان میں اتحاد، جبری تبدیلی مذہب کی ممانعت، عدم تشدد، قتل ناحق کی شناعت اور باہمی رواداری وغیرہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔[۳۵]

مہاتما گاندھی نے ہندو اور مسلم دونوں کو قرآن کا مطالعہ کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی، نیز انہوں نے بی بی ریحانہ سے خصوصی گزارش کی تھی کہ وہ قرآن کی کچھ آیتیں آشرم کے ایسے لوگوں کو، جو سیکھنا چاہیں، سکھا دیں۔[۳۶] مسلمانوں سے ان کا کتاب اللہ کو پڑھنے اور سمجھنے کی تاکید کرنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ان کی مقدس

کتاب ہے،لیکن ہندوؤں کو اس قدر تاکید کیوں کی ؟اس کا جواب انہوں نے ایک جگہ خود ہی دیا ہے:

''ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرے۔ایسا کرنے سے لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مذہب کو پاک رکھ سکیں اور اس کو نقائص سے پاک کریں۔علاوہ بریں ہمارے ملک میں عیسائی،مسلمان، پارسی اور دوسرے مذاہب کے لوگ بھی رہتے ہیں۔اگر ہندو ان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ ان کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کریں۔''۳۷

گاندھی جی کو قرآن کریم سے اس قدر گہرا تعلق رکھنے پر ہندو اور مسلمان دونوں کی جانب سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔انہوں نے جب اسے شام کی اپنی پراتھنا میں شامل کیا تو انہیں کٹّر اور تعصب پسند ہندو ؤں کی جانب سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔اس پر انھوں نے یہ جواب دیا:

''یہ کوئی عقل کی بات نہیں کہ پراتھنا کے کسی جز پر اس لیے اعتراض کیا جائے کہ وہ قرآن کا جز ہے۔بعض مسلمانوں کے نقائص کچھ بھی ہوں،لیکن یہ اعتراض ساری قوم پر تو عائد نہیں ہوسکتا اور نہ اس کے پیغمبر اور اس کے پیام پر عائد ہوسکتا ہے۔میں نے پورا قرآن پڑھا ہے۔ مجھے ایسا کرنے سے کچھ حاصل ہی ہوا،میں نے کچھ کھویا نہیں۔میں تو محسوس کرتا ہوں کہ دنیا کی روحانی کتابیں پڑھ کر میں بہتر ہندو بن گیا ہوں۔''۳۸

اسی طرح جب انہوں نے اپنے آشرم کی پراتھنا میں سورۃ الفاتحہ کو شامل کیا تو اس پر بھی انہیں ہندوؤں کی جانب سے لعنت،ملامت کی گئی اور ایک بنیاد پرست ہندو نے انہیں لکھا کہ آپ نے اب آشرم میں کلمہ کو بھی جگہ دے دی ہے،اب ہندو دھرم کا خون کرنے کے لیے آپ کے پاس اور کیا باقی رہا؟اس سوال کا انہوں نے جواب دیتے ہوئے لکھا:

''مجھے یقین ہے کہ میرے اور آشرم کے ہندوؤں کے دھرم کو میرے عمل

سے تقویت حاصل ہوئی ہے۔ ہمارے اندر تمام مذاہب کا یکساں احترام ہونا چاہیے۔ بادشاہ خان جب کبھی یہاں آتے ہیں تو ہماری پوجا میں بہت خوشی سے شریک ہوتے ہیں۔ وہ اس لئے کو پسند کرتے ہیں جس میں رامائن گائی جاتی ہے اور بہت غور سے گیتا کو سنتے ہیں، مگر ایسا کرنے سے ان کا اسلامی عقیدہ تو کم نہیں ہوگیا؟ تو میں اسی طرح احترام کے ساتھ قرآن کی قراءت کو کیوں نہ سنوں؟''۳۹

بعض مسلمانوں کو بھی گاندھی جی کے قرآن پڑھنے اور اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس کا ذکر کرنے پر اعتراض ہوا تھا۔ ایک اسکالر نے انہیں اس سلسلے میں خط لکھا تو انہوں نے اس کا نام لیے بغیر یہ جواب دیا:

''کیا اب میں بدل گیا یا زمانہ بدل گیا کہ اب مجھ جیسے غیر مسلم کے لیے قرآن پڑھنا اور اس کے وہ معنی بیان کرنے کی جرأت کرنا جو میں نے سمجھے ہیں، ایک جرم بن گیا؟.....ریسرچ اسکالر کا یہ خیال صحیح ہے کہ میں قرآن کی عبارتوں میں اپنی عقل کے مطابق معنی پیدا کرتا ہوں، یقیناً ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بہ شرط کہ میں اصل عبارت کا پوری طرح پابند رہوں اور اس کام کو کھلے دل اور نیک نیتی کے ساتھ کروں..... یہ بالکل ممکن ہے کہ قرآن کو پڑھنے اور اس کے معنی سمجھنے کے لیے ریسرچ اسکالر کی شرائط اور ان کا اپنا مفہوم بالکل غلط ہو۔ میرا غیر مسلم ہونا میرے قرآن پڑھنے اور اس کے معنی سمجھنے میں مانع نہیں ہوسکتا۔ وہ بڑی بدنصیبی کا دن ہوگا جب مذہبی کتابوں کا پڑھنا اور سمجھنا صرف ایسے لوگوں تک محدود کردیا جائے جو خاص مذہبی لیبل چپکائے ہوئے ہوں۔''۴۰

(ی) تاریخِ اسلام

مہاتما گاندھی نے تاریخ اسلام کے موضوع پر باقاعدہ کوئی کتاب تو نہیں تصنیف کی، البتہ ان کی تقریروں اور تحریروں میں اس کے مختلف گوشے ملتے ہیں۔ وہ

خلفائے راشدین اور امام حسنؓ و امام حسینؓ وغیرہ سے بہت متاثر نظر آتے ہیں اور ان کے بعض واقعات کا ذکر کرتے ہوئے قارئین کو ان سے سبق حاصل کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔انہوں نے اس سلسلے میں ان مؤرخین و مصنفین کی کتابوں کو ترجیح دی ہے جنہوں نے اپنی تحریروں میں مذہبی رواداری اور مساوات وغیرہ پر زور دیا ہے۔ان میں علامہ شبلی نعمانی،سید امیر علی،مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

مہاتما گاندھی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق کی سادگی،قناعت اور انصاف پسندی کو بہت پسند کرتے تھے اور ان کے طرز کی حکومت ہندوستان میں چاہتے تھے۔۱۹۴۷ء میں یہاں جب آزاد حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے اپنے وزیروں کو سادگی کا مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا:

> ''میں رام چندر اور کرشن جی کا حوالہ نہیں دے سکتا، کیوں کہ وہ تاریخی ہستیاں نہیں تھیں۔میں مجبور ہوں کہ سادگی کی مثال کے لیے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نام پیش کرتا ہوں۔وہ بہت بڑی سلطنت کے حاکم تھے، پر انہوں نے فقیروں والی زندگی گزاری۔''(۴۱)

گاندھی جی حضرت علیؓ کے ضبط و تحمل اور قوت برداشت کو عدم تشدد کا اہم اصول بتاتے ہیں اور اپنے معتقدین کو بھی اسے اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> You must know how to restrain your anger, if you desire to maintain non-violence in action for any length of time. Hazrat Ali, the hero of Islam, was once spat upon by an adversary; and it is my conviction that if he had not restrained his anger at the time, Islam would not have maintained its unbroken career of progress up to the present time.(42)
>
> ''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ غصہ پر کیسے قابو رکھا جائے، اگر آپ عدم تشدد کو کسی بھی مدت کے لیے حرکت میں رکھنا چاہتے ہیں۔اسلام کے

ہیرو حضرت علیؓ پر ایک مرتبہ ان کے کسی مخالف نے تھوک دیا تھا۔ یہ میرا یقین ہے کہ اگر انھوں نے اس وقت اپنے غصہ کو قابو میں نہ رکھا ہوتا تو اسلام کی ترقی کا آج تک جاری غیر منقطع سلسلہ برقرار نہ رہتا۔''

گاندھی جی حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی سوانح حیات، خدمات اور ان کی قربانیوں سے بھی واقف تھے۔ انہوں نے ثانی الذکر کی قربانیوں کو 'تپسیا چریہ' کا نام دیا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے:

All religions in the world are thus strict in regard to pledges ... Even if only a few among you take the pledge, we shall have reward through them. Muslim students have before them the example of Imams Hassan and Hussain. Islam has not been kept alive by the sword, but by the many fakirs with a high sense of honor whom it has produced ... I have nothing to give you in the way of excitement ... I want to give you quiet courage. I want you to have hearts pure enough for self-sacrifice, for tapascharya.(43)

''اسی طرح دنیا کے تمام مذاہب عہد و قرار کے بارے میں اٹل ہیں۔ اگر آپ میں سے محض کچھ لوگ بھی عہد کریں، ہمیں اس کا بدلہ ملے گا۔ مسلم طلبہ کے سامنے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ جیسوں کی مثالیں ہیں۔ اسلام تلوار سے زندہ نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ بہت سے فقیروں کے ذریعہ، جو اس سے پیدا ہونے والی عزت نفس کا بڑا احساس رکھتے تھے۔ میرے پاس آپ کو دینے کے لیے کوئی جذباتی وعدہ نہیں ہے۔ میں آپ کو عزم و حوصلہ دینا چاہتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ تپسیا چریہ کے لیے اپنی قربانی پیش کرنے کی خاطر اپنے دلوں کو مزین رکھیں۔''

تجزیہ

اسلام کے بارے میں گاندھی جی کے درج بالا افکار کے مطالعے سے قارئین

کے ذہنوں میں ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا وہ واقعی اسلام کے قریب تھے؟ کیا انہوں نے اپنے افکار ونظریات اسلام سے مستعار لیے تھے؟ ان کی سوانح حیات سے بہ خوبی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تاعمر اپنے مذہب پر قائم رہے۔ بسااوقات انہوں نے اپنی تحریروں میں واضح لفظوں میں اس کا ذکر بھی کیا ہے، البتہ انہوں نے اپنی فکر کی بنیاد ستیہ رسچائی، راستی، حق گوئی، یکجہتی، مساوات اور عدم تشدد کے اصولوں پر رکھی تھی، جس کا مکمل نمونہ ہمیں صرف دین اسلام میں ہی مل سکتا ہے۔ اسی لیے عوام الناس کو لاشعوری طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے اقوال وافعال اسلامی تعلیمات کے مطابق یا اس سے قریب تر رہے ہیں۔

گاندھی جی کے بعض افکار ونظریات ایسے ہیں جن کا اسلامی نقطۂ نظر سے جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ان سے کہیں نہ کہیں اسلامی عقائد اور ایمانیات پر ضرب پڑتی ہے، جیسے وحدت ادیان کا نظریہ۔ بدقسمتی یہ ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اسے پسند کرنے لگے ہیں اور صوفیۂ کرام اس میں پیش پیش ہیں۔ پنڈت سندر لال نے اپنی کتاب 'گیتا اور قرآن' میں خوب اللہ شاہ قلندر قادری کا یہ قول نقل کیا ہے:

''حق یہ ہے کہ ایک ہی حقیقت کی آواز ساری دنیا میں گونج رہی ہے۔ گیتا ہندوستان کا قرآن ہے اور قرآن عرب کی گیتا۔''[۴۴]

وحدت ادیان کا نظریہ درحقیقت دنیا کے تمام مذاہب کا ایک مقام طے کرتا ہے۔ اس کی رُو سے اسلام ایک سچا مذہب ہے، لیکن صرف وہی واحد سچا مذہب نہیں ہے، بلکہ دنیا کے دیگر تمام مذاہب بھی سچے ہیں۔ اگر اس کو درست مان لیا جائے تو انسانی زندگی پر اس کے دوررَس اثرات مرتب ہوں گے۔ انسان اگر اس نظریہ کو مان لیتا ہے تو پھر اسے اسلامی عقائد کے ایک اہم جز یعنی عقیدۂ رسالت سے ہاتھ دھونا پڑے گا، کیوں کہ اول تو نبی کریم ﷺ رہتی دنیا تک کے لیے آخری نبی اور رسول ہیں، نیز آپ کا لایا ہوا دین یعنی 'الاسلام' آخری اور مکمل دین ہے، جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اسی ذریعے سے دنیا وآخرت میں کام یابی ممکن ہے۔ دوم یہ کہ قرآن کریم کے علاوہ دوسری کوئی کتاب اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں ہے۔ ایسے میں عقل اور فطرت کا تقاضا ہے

کہ انسان صرف اور صرف دین اسلام کو ہی سچا اور برحق مذہب تسلیم کرے۔ یہی قرآن بھی کہتا ہے:

إِنَّ الدِّيْنَ عِندَ اللّهِ الإِسْلاَمُ (آل عمران:۱۹)

''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔''

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ. (آل عمران:۸۵)

''اس فرماں برداری (الاسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''

وحدت ادیان کا نظریہ مشرکینِ مکہ کے اس نظریہ سے کلیۃً مطابقت رکھتا ہے جس میں انہوں نے آپؐ سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں (لات اور عزیٰ) کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سورۃ 'الکافرون' نازل ہوئی، جس سے یہ قضیہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وحدت ادیان کا نظریہ کسی مسلمان کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔

حواشی ومراجع

1۔ Gandhi's responses to Islam, Sheila Mc Donough, D.K. Print World (p) ltd. New Delhi, 1994, P:05

۲۔ حسین، سید عابد، تلاش حق، مہاتما گاندھی کی آپ بیتی، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، قرول باغ، دہلی، ۱۹۳۵ء، ص ۵۵

۳۔ ملاحظہ ہو: احمد، رضی، گاندھی جی اور مسلمان، گاندھی پیس فاؤنڈیشن، دین دیال اپدھیائے مارگ، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، صفحات ۱۴۸-۱۵۰

۴۔ تلاش حق، ص ۱۵۹

۵۔ حوالۂ سابق، صفحات ۲۰۲-۲۰۳

6۔ The Hindu-Muslim Unity, Ed. by Anand.T. Hingorani, Bharatiya Vidya Bhavan, Bombay, 1965, p.65

۷۔ مہاتما گاندھی، مذہب اور دھرم، ہریجن- ۲۳ ستمبر ۱۹۴۶ء، انجمن ترقی ہندار دو، علی گڑھ، سنہ

اشاعت غیر مذکور،ص۲۰

8۔ Education Gandhi and Man, Selected Writings, Khawaja Ghulamus Saiyyadain, Edited by: Akhtarul Wasey & Farhat Ihsas, Shipra Publications, 2008, P:54

۹۔ مذہب اور دھرم،۱۰رفروری،۱۹۴۰ء،صفحہ۱۴۔اسی طرح کی رائے انہوں نے ایک اور جگہ پیش کی ہے۔ملاحظہ ہو:مہاتما گاندھی،میری رائے،ہندی آتم کتھا،صفحات ۵۵۳-۵۵۴،مترجم:اوم پرکاش ترکھا،گرام سیوا پرکاشن پٹی،کلیانہ،ضلع کرنال (پنجاب)،اشاعت سوم،۱۹۶۰ء،صفحہ۱۴

۱۰۔ مذہب اور دھرم،سابرمتی-۱۹۲۸ء،صفحات ۹-۱۰

۱۱۔ ماہ نامہ شاعر،گاندھی نمبر۱۹۶۹ء،مکتبہ قصرالادب،ممبئی،جلد۴۰،شمارہ۱۰-۱۲،اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۹ء،ص۲۶۴

۱۲۔ ملاحظہ ہو:مذہب اور دھرم، ینگ انڈیا۔۲۸رجولائی ۱۹۲۱ء،صفحہ۴،۷،۱۱

۱۳۔ نظامی،ظفر احمد،ہندوستان کے چند سیاسی رہ نما،انجمن ترقی اردو،ہند،نئی دہلی،۲۰۰۰ء،ص۶۲

۱۴۔ مذہب اور دھرم، ینگ انڈیا۔۲۹رمئی ۱۹۲۴ء،صفحات ۲۲-۲۳۔نیز ملاحظہ ہو:مہاتما گاندھی، میری رائے،صفحات ۲۸۰-۲۸۴

۱۵۔ فیضی،آصف،گاندھی جی اور اقلیتیں،منتخبات: گاندھی درشن،ماہ نامہ شاعر،گاندھی نمبر۱۹۶۹ء،ص۲۳۰

۱۶۔ ملاحظہ ہو:میری رائے،صفحات ۵۵-۶۶-مہاتما گاندھی،مذہب اور دھرم،صفحہ۱۱

۱۷۔ میری رائے، ینگ انڈیا۔۱۹رستمبر۱۹۲۴ء،ص ۵۷

۱۸۔ ایضاً،ہریجن سیوک ۲۵راپریل ۱۹۳۶ء،صفحات ۶۰-۶۱

۱۹۔ ایضاً، ینگ انڈیا۔۱۲راپریل ۱۹۲۸ء،ص۳۳۳

۲۰۔ ایضاً،ہندی نوجیون ۲۱رجنوری ۱۹۲۶ء،ص۶۴

۲۱۔ ایضاً، ینگ انڈیا۔۵رمارچ ۱۹۲۵ء،ص ۵۸

22۔ All Men are Brothers (Life and Thoughts of Mahatma Gandhi as told in his own words, by Krishna Kripalani, Jitendra T Desai, Navajivan Mudranalaya, Ahmedabad, 1960, P:79

۲۳۔ تلاش حق،ص۴۱۱ ۲۴۔حوالۂ سابق،صفحہ۱۱۶

۲۵۔ حوالۂ سابق،صفحات ۲۴۴-۲۴۵

26۔ Ganghi's Responses to Islam, p.66

27۔ The Hindu Muslim Unity, p.90

۲۸۔ مذہب اور دھرم، ہریجن، ۱۳؍جولائی ۱۹۴۰ء، ص ۱۶۔ (مولانا شبلی نے قرآن مجید کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔ وہ کوئی اور کتاب رہی ہوگی۔)

29۔ The Sayings of Muhammad, Allama Sir Abdullah Al-Mamun Al-Suhrawardy, John Murray, Albemarle Street, London, W. 1954, p.07

۳۰۔ مذہب اور دھرم، ینگ انڈیا، ۲۲؍ستمبر ۱۹۲۷ء، صفحات ۳۴-۳۵

31۔https://archive.thedailystar.net/forum/2010/august/gandhi.htm

۳۲۔ گاندھی جی قرآن کریم کو الہامی کتاب مانتے تو تھے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اس کا اور گیتا کا خدا ایک ہے، یعنی گیتا بھی الہامی کتاب ہے۔ ہریجن ۱۳؍اپریل ۱۹۴۰ء۔ یہی نہیں، بلکہ وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ یہودی اور عیسائی مذہب اور ان کی کتابیں بھی الہامی ہیں۔ ہریجن ۱۳؍جولائی ۱۹۴۰ء۔

۳۳۔ مذہب اور دھرم، صفحہ ۱-۲، To Hindu & Muslim-Edited by Hingramp, p.469

۳۴۔ حوالۂ سابق، ینگ انڈیا-۲؍مارچ ۱۹۲۲ء، ص ۵

۳۵۔ حوالۂ سابق، ۶؍اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۳۔ ۲۸؍ جولائی ۱۹۲۱ء، ص ۴۔ ۲؍مارچ ۱۹۲۲ء، ص ۶۔ ۱۳؍جنوری ۱۹۲۷ء، ص ۷، ہریجن۔ ۲۸؍اکتوبر ۱۹۳۹ء، ص ۱۳۔

۳۶۔ حوالۂ سابق، ہریجن۔ ۱۵؍فروری ۱۹۴۲ء، ص ۱۸

۳۷۔ حوالۂ سابق، ہریجن ۲۵؍مئی، ۱۹۴۷ء، صفحات ۲۴-۲۵

۳۸۔ حوالۂ سابق، تقریر: ۲؍نومبر ۱۹۴۷ء، ص ۲۶

۳۹۔ حوالۂ سابق، ہریجن۔ ۱۵؍فروری ۱۹۴۲ء، ص ۱۹

۴۰۔ حوالۂ سابق، ہریجن۔ ۱۳؍جولائی ۱۹۴۰ء، ص ۱۶-۱۷

۴۱۔ حوالۂ سابق۔ ۲۷؍جولائی ۱۹۴۷ء

42۔ Ganghi's Responses to Islam, P.P:115-116

43۔https://archive.thedailystar.net/forum/2010/august/gandhi.htm

۴۴۔ سندر لال، پنڈت، گیتا اور قرآن، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، اشاعت دوم، ۱۹۹۹ء، ص ۵

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے منصوبہ کے تحت تیار کردہ

دو اہم مطبوعات

۱۔اسلامی معاشرہ کی خصوصیات مولانا کمال اختر قاسمی

اس کتاب میں تین ابواب ہیں: پہلا باب مغربی معاشرہ اور اس کے اثرات ونتائج پر مشتمل ہے۔ دوسرے باب میں ہندوستانی سماج کو قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پیسار باب اسلامی معاشرہ پر ہے۔اس میں اسلامہ معاشرہ کی تشکیلی بنیادوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اور اس کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

صفحات:۲۰۸ قیمت:۱۵۵

۲۔توحید اور قیامِ عدل مولانا محمد جرجیس کریمی

توحید کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے،جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم،توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بےاعتدالی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔

پیش نظر کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے،جن میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کی گئی ہے،انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال وتوازن کے اثرات بیان کیے گئے ہیں، نیز عقیدہ توحید سے محرومی اور شرک والحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار وخیالات پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ شامل ہے۔

صفحات:۹۲ قیمت:۵۰

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی 110025

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ 202002

اسلام کے کلاسیکی سیاسی افکار اور جدید مطالعات

پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی

کلاسیکی سیاسیات پر تحقیق کی ضرورت

تاریخ کے ہر دور میں ریاست کا ادارہ انسانی سماج کی ایک بنیادی ضرورت رہا ہے اور اس کے بغیر منظم اجتماعی زندگی نا قابل تصور رہی ہے۔ آج سائنس وٹیکنالوجی اور اجتماعی زندگی میں نت نئی پیچیدگیوں کی وجہ سے ریاست کا دائرہ کار بہت وسیع ہو گیا ہے اور امن وامان اور نظم وانضباط کے قیام سے آگے بڑھ کر عدل اجتماعی اور سماجی فلاح و بہبود کی تشکیل و تنظیم بھی اس کا اہم فریضہ قرار پا گئی ہے۔ اسلام نے اپنی پوری تاریخ میں ریاست کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے اور قرآن، جو پوری زندگی کے لیے صحیفۂ ہدایت ہے، اس نے اجتماعی وسیاسی زندگی کے لیے واضح رہ نمائی فراہم کی ہے۔ اسی طرح اس نے دین وسیاست کی اس تفریق کو ختم کر کے ریاست کو اسلام کے قیام واستحکام اور عدل وفلاح کے حصول کے لیے استعمال کیا ہے۔[1] دوسری طرف احکام وفرامین خداوندی کو مختلف خانوں میں تقسیم کرنے اور بعض سے صرف نظر اور روگردانی اختیار کرنے کی روش کو دنیا و آخرت میں موجبِ عتابِ الٰہی قرار دیا ہے، خواہ احکام الٰہی کو حصوں بخروں میں بانٹنے کی یہ روش خواہش نفس کے اتباع میں اختیار کی جائے یا مرعوبیت، اندھی تقلید، کورانہ نقالی اور بیرونی دباؤ کی وجہ سے۔ اسلام اس حقیقت کا بھی واضح لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ ریاست اگر اسلام کے بغیر ہو تو ظلم وناانصافی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اگر اسلام ریاست کے بغیر ہو تو اس کا ایک حصہ معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور کلیسی کارِ بے بنیاد ہو کر رہ جاتی ہے۔

آج عالم اسلام میں اسلامی بیداری واحیاء کی تحریکات مستحکم ہوتی جارہی ہیں اور اسلامی نظام اور اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ شدّت اختیار کرتا جارہا ہے، لیکن دوسری طرف مسلم حکومتوں کے اربابِ حلّ وعقد کی اکثریت کا ذہن اتنا مسموم کر دیا گیا ہے کہ احیائے اسلام کا نام سن کر ان کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں اور مغرب کی فراہم کردہ تعصّباتی عینک سے دیکھنے کی وجہ سے اسلامی تحریکات کی ہر کوشش ان کی نظروں میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگتی ہے۔[۲] اس طرح سوءظن، عداوت اور غفلت و جہالت نے اسلامی ریاست کے فروغ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں۔ اس لیے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اسلام کی سیاسی فکر کو دینی وعقلی دلائل کے ساتھ مرعوبیت سے بالا ہوکر پیش کیا جائے اور دور حاضر کے ابھرتے ہوئے سوالات کی تفہیم علمی داستدلالی انداز میں اس طرح کی جائے کہ معاصر ذہن کو متاثر کر سکے اور اسلام کی رہنمائی بھی فراہم ہو۔ اسلامی ریاست کا تصور، اس کا فلسفہ، نظام کار، اصول حکم رانی، دین وسیاست کی تفریق کا ابطال، نظریۂ خلافت اور اس کے سیاسی وسماجی مضمرات، اولوالأمر کے اوصاف، حقوق شہریت، اصولِ مشاورت، اصولِ انتخاب، عورتوں کی سیاسی دائرہ کار میں شرکت، غیر مسلم رعایا کے سیاسی حقوق، اسلامی قانون اور اس کے بنیادی مآخذ، دفاع اور اصول جنگ وصلح، بین مملکتی قانون اور داخلہ وخارجہ پالیسی وغیرہ کی تشریح وتوضیح اس انداز میں ہو کہ پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ انہیں دور جدید میں نافذ کیا جاسکے۔ یہیں سے مسلم سیاسی مفکرین کی علمی مساعی اور افکار سے استفادہ اور ان کے تفصیلی مطالعے کی اہمیت وضرورت سمجھ میں آتی ہے، کیوں کہ اس ضمن میں قرآن کی اساسی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اسلاف کی میراث کی صحت منداور معروضی تفہیم کے بغیر قدم آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔[۳]

اسلامی سیاسی ورثہ کی خصوصیات

رسول اکرم ﷺ پر وحی کی پہلی آیات کا نزول ۶۱۰ء میں غارحرا میں ہوا اور تکمیل تیئیس (۲۳) برسوں میں مدینہ میں حجۃ الوداع کے بعد ہوئی۔ یہ محض وحی کی تعمیل نہ

تھی، بلکہ مسلمانوں کی سیاسی واجتماعی، معاشی و معاشرتی ،تعلیمی وتمدنی اور دینی وثقافتی زندگی کی بھی تکمیل تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ جب سن ۱۰ھ میں میدان عرفات میں اپنا خطبہ پیش کررہے تھے، اسی وقت درج ذیل آیت نازل ہوئی اور دین کے مکمل ہونے کا اعلان کیا گیا:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِينًا۔ (المائدۃ: ۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا ہے۔)

یہاں دین کو مکمل کرنے سے مراد اصل دین کو مکمل کرنا ہے اور نعمت تمام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس آخری شریعت کی تکمیل کر دی ہے۔ دین کا آغاز تو حضرت آدمؑ کے دنیا میں آنے سے ہو گیا تھا۔ جتنے انبیاء و رُسل مختلف ادوار میں آئے اُسی دین کو وقت کے تقاضوں اور حالات کے مطابق پیش کرتے رہے اور انسانوں کی ہدایت اور رہ نمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر یہ دین مکمل ہو گیا۔ آپؐ کی حیثیت نبوت کی آخری کڑی اور قصرِ دین میں آخری اینٹ کی ہے۔

اتمام نعمت کا مطلب یہ ہے کہ غار حرا سے جس وحی کا نزول شروع ہوا تھا وہ درجہ بدرجہ مشیت وحکمت الٰہی کے تحت اب پوری ہوگئی۔ اب اللہ کا دین بھی کمال کو پہنچ گیا اور اس امت پر اس کی نعمت بھی تمام ہوگئی۔ یہ وہی نعمت تھی جس کا اظہار اللہ کے رسول ﷺ نے زندگی کے تمام گوشوں میں اس کی صحیح اسپرٹ کے ساتھ کیا اور اسلام کو ایک کامل نظام زندگی، ایک جامع تہذیب وثقافت اور ایک منظّم اجتماعی ہیئت کی شکل میں غالب و نافذ کیا۔ خلافت راشدہ کے تیس (۳۰) برسوں میں اس دین اور تہذیب کی نمائندگی ہوتی رہی۔ بعد کے تمام اسلامی ادوار میں خلفاء وسلاطین اور حکم راں اس کو نمونہ سمجھ کر اپنی ہمت و صلاحیت اور توفیق یزدانی کے بقدر معاشرہ اور ریاست کی خدمت کرتے رہے۔ ادیبوں، شاعروں، فلاسفہ، حکماء وعلماء اور دانش وروں نے اسی کو منارۂ نور تسلیم کر کے اپنے افکار وعطیات سے مسلم معاشرہ کو مالا مال کیا۔

تاریخ اسلامی کے اس پورے سفر میں انحرافات بھی ہوئے، کش مکش اور کشاکش بھی ہوئی، کم زوریوں کا اظہار بھی ہوا، مختلف فکری وتہذیبی دھاروں کی آمیزش نے معاشرہ میں ہلچل بھی پیدا کی اور اصلاحی واحیائی رجحانات نے آگے بڑھ کر تجدید کی ذمہ داری بھی نبھائی، اس لیے اسلامی تاریخ ایک نظریاتی کش مکش کی تاریخ ہے اور یہ کش مکش ہمیں سیاسی فکر میں بھی نظر آتی ہے۔

ایک اور حقیقت بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ملت اسلامی بنیادی طور پر ایک ہی ثقافت، ایک ہی فکر اور ایک ہی تہذیب کی علم بردار رہی ہے، مگر مختلف ملکوں، جغرافیائی خطوں، مقامی تہذیبوں اور روایات ورسوم کو اس نے اپنایا ہے اور اپنے فکری سانچے میں انہیں ڈھالا ہے۔ اس لیے اس تمام تنوع، اختلاف اور رنگارنگی کے باوصف اس میں وحدت ہے، تنظیم ہے، توافق ہے اور ارتباط ہے۔ مسلمان علماء، دانش وروں اور مفکرین کے افکار ومساعی میں جو نظریاتی اور تصوراتی بوقلمونی پائی جاتی ہے اسے اسی پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ان حقائق کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسلامی سیاسیاست پر تیار کردہ ادبیات کی درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں:

فکری تنوّع اور ارتقا

مسلمانوں نے سیاسی فکر کا جو ورثہ چھوڑا اس میں جمود، اضمحلال، یکسانیت اور ژولیدہ فکری کی جگہ ارتقا، حرکیت، بوقلمونی اور استحکام وتنظیم پائی جاتی ہے۔ ابو الحسن اشعری، قاضی النعمان، ابوبکر الباقلانی، الصدوق القمی، امام الحرمین الجوینی، ابن المطہر الحلی، ابن تیمیہ الدمشقی، الخطیب البغدادی، ابوالحسن الماوردی وغیرہ وہ نابغۂ روزگار مفکرین ومصلحین اور مصنفین ہیں جن کی تحریروں کا محور خلافت اور اس کے فرائض وافعال ہیں۔ ان مباحث میں شیعہ اور سنی نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، افراد کا ذاتی تناظر بھی بسا اوقات مختلف ہے، حالات اور زمانے کی تبدیلیوں سے بھی ان میں تنوع آ گیا ہے۔ اسی طرح نصیر الدین طوسی، جلال الدین الدوانی اور ابن الطقطقی کے ہاں عملی سیاست پر زور ہے اور اخلاقیات ونصائح کا پہلو نمایاں ہے۔ ابن خلدون اور شاہ ولی اللہ عمرانیاتی

مطالعات کے علم بردار ہیں اور تمدنی حالات وعوامل پر ان کی گہری نظر ہے۔ مسلم فلاسفہ: ابن سینا، الکندی، الفارابی، ابن طفیل، ابن باجہ، ابن رشد کی بحثوں میں منطق و فلسفہ اور حکمت وعلم کی غالب کارفرمائی اور تعقل وتفلسف کی گہری چھاپ ہے۔

مسلم سیاسی فکر کے اس تنوع میں زبردست وحدت اور تنظیم ہے، کیوں کہ سب کا اولین مآخذ وحی الٰہی ہے اور دور نبوت وخلافت کو سارے مفکرین نے آدرش کے روپ میں دیکھا ہے۔

عالمی ورثہ کا تسلسل

مسلم سیاسی فکر نے کسی جزیرہ میں رہائش اختیار کر کے تنہائی اور عزلت نشینی کی زندگی بسر نہیں کی، نہ انسانی تہذیب اور عالمی ورثہ کے سلسلے میں اس نے اجنبیت، وحشت، دوری اور مغائرت کا رویہ اختیار کیا۔ اس نے تاریخ انسانی کے تسلسل کو برقرار رکھا اور عالمی انسانی تہذیب کے ورثہ کی نہ صرف کما حقہ حفاظت کی، بلکہ اپنے عقائد، تصورات اور اخلاقیات سے اس میں چار چاند لگا دیے۔ مسلمان حکماء اور فلاسفہ کی پوری زندگی اور ان کی تمام تر علمی وفکری جد وجہد کا ماحصل یہی ہے۔ ابونصر الفارابی کے حالات زندگی بتاتے ہیں کہ وہ پیدا ہوا تھا ترکستان کے ضلع فاراب میں، مگر حصول علم کے لیے صغرسنی میں بغداد کا رخ کیا۔ عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اس نے عیسائی طبیب ابو بشر متی بن یونس کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا اور اس سے منطق پڑھی۔ یہ عیسائی طبیب متعدد یونانی کتب کا سریانی سے عربی میں ترجمہ کرنے کی وجہ سے ماہر استاد مانا جاتا تھا۔ اسی توجہ کی بنا پر فارابی کو منطق سے بے حد لگاؤ پیدا ہو گیا۔ اس فن میں مزید مہارت پیدا کرنے کے لیے وہ حران گیا، جہاں اس نے ایک اور عیسائی فلسفی یوحنا بن جبلان کی شاگردی اختیار کی۔ حران سے واپس آ کر فارابی نے ارسطو کے فلسفہ کی طرف توجہ کی اور اس میں اس قدر کمال حاصل کر لیا کہ اسے وہ پہلا مسلمان فلسفی قرار دیا گیا، جس نے ارسطو کے فلسفہ پر عبور حاصل کیا اور اس لیے اسے 'معلّم ثانی' کا خطاب ملا، کیوں کہ معلّم اول خود ارسطو تھا۔ اس نے ارسطو کے افکار ونظریات کی شرح کی، ان پر

تبصرے کیے،ان کے خلاصے تیار کیے اوران پر جابجا اضافے بھی کیے۔مثال کے طور پر اپنی سیاسی تصانیف السیاسة المدنیة اور آراء أهل المدینة الفاضلة میں اس نے افلاطون کی الجمہوریۃ سے کافی استفادہ کیا ہے،مگر اندھی تقلید نہیں کی ہے۔ بہت سے مواقع پر اپنا اختلاف بھی ظاہر کیا ہے،افلاطون کے نظریات کی اصلاح کی ہے اور بعض ایسے عنوانات بھی قائم کیے ہیں جو الجمہوریۃ میں نہیں پائے جاتے۔

مسلمان فلاسفہ کا اغیار سے یہ استفادہ اوران کے علوم وفنون کی آئندہ نسلوں تک منتقلی کا یہ عمل اسلام کی تعلیمات سے ان کی اثر پذیری کا نتیجہ تھا۔محمد عربی ﷺ نے جس تہذیب کی تشکیل کی تھی وہ اپنی فطرت اور روح کے اعتبار سے انسانیت نواز، کشادہ ظرف ،محافظ مصالح و مفادات اور باعث تیسیر وتبشیر تھی۔ وہ انسانوں سے اپنا ناطہ استوار کرنے والی، عالی قدروں کی حفاظت کرنے والی اور عالم گیر انسانی ورثہ کو دوام عطا کرنے والی تہذیب تھی،اسی لیے رسول عربی ﷺ نے اپنے پیروؤں کو یہ تلقین کی تھی:

الكلمة الحكمة ضآلة المؤمن حيث وجدها فهو أحقُّ بها.[۴]

(کلمۂ حکمت مومن کی متاع گم شدہ ہے،اسے جہاں کہیں حکمت ملے وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔)

مسلمانوں نے اپنی پوری تاریخ میں اپنے رسول کے اس ارشاد گرامی کو حرز جاں بنا کر روم، یونان، ہندوستان اور دوسرے تمام ممالک کی تہذیبوں اور ثقافتی روایات وعلوم سے خوش دلی اور خندہ جبینی کے ساتھ تعامل کیا،افادہ واستفادہ کے عمل کو شعوری طور پر جاری رکھا اور عالمی انسانی تہذیب کے تسلسل اور دوام کی ضمانت فراہم کی۔فکر سیاسی کا میدان بطور خاص اس تہذیبی اور علمی تعامل کی جولان گاہ رہا۔

اسلامی مآخذ کا محور

تمام سیاسی مفکرین بشمول معتزلہ،شیعہ وفلاسفہ کا مرکز ومحور قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ رہا۔ انھوں نے خارج سے استفادہ کیا اور اغیار کے علوم و معارف اور تہذیبی وتمدنی عطیات سے تعامل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی،مگر ان کے تمام افکار وتصورات

کا بنیادی مرجع قرآن کریم ہی تھا۔ اس لیے روزنتھال کا یہ تجزیہ پوری طرح درست اور مطابق واقعہ نہیں ہے کہ اسلامی تاریخ میں 'سیاسی نصائح' پر جواد بیات تیار ہوئیں۔ جنہیں وہ آئینہ برائے بادشاہان (Mirrors for Princes) کہتے ہیں اور عربی میں جن کو ادب لٹریچر کا نام دیا گیا ہے، وہ ایرانی، پہلوی ورثہ کے زیر اثر ہوئیں۔[۵]

روزنتھال کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح کے سیاسی افکار ابن المقفع کے ترجمہ 'کلیلہ و دمنہ' کی بدولت اسلام میں داخل ہوئے اور یہ ترجمہ پہلوی زبان سے کیا گیا تھا۔ اس مصنف نے مزید دو کتابیں: **الأدب الكبير** اور **الأدب الصغير** کے نام سے لکھیں۔ ان کی پیروی میں ابن قتیبہ، الجاحظ، البیہقی، الغزالی، الدوانی اور دوسرے مفکرین اور ادیبوں نے 'سیاسی نصائح' اور ادب لٹریچر پر گراں قدر اضافے کیے۔ روزنتھال کو یہ اشکال بھی ہے کہ ان تصانیف کا تعلق اصول حکومت اور سیاسی فکر سے زیادہ عملی حکومت اور اس کے طریقوں سے ہے، کیوں کہ ان تحریروں سے کوئی سیاسی فلاسفی جنم نہیں لیتی۔

فاضل مستشرق دوسری طرف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابن المقفع کی '**الأدب الصغير**' کا مقصد سیاسی اخلاقیات کی تشکیل ہے اور یہ کتاب حکم رانوں کے صحیح رویہ اور درست سلوک کے سلسلے میں عملی نصائح کے لیے ایک نظریاتی بنیاد فراہم کرتی ہے، کیوں کہ ابن المقفع کے مطابق آدمی کا مقصد 'صلاح **المعاش و المعاد**' (دنیا اور آخرت کی بہتری اور اصلاح) کا حصول ہے۔ یہ مقصد عقل صالح کے ذریعہ خدا کی معرفت پا کر حاصل ہوتا ہے اور یہ بات اظہر ہے کہ دین اسلام کا اہم ترین مقصد دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارنا اور دونوں جہانوں میں خیر اور صلاح کو حاصل کرنا ہے۔ پھر اس سیاسی طرز فکر کا ایران کے ورثہ کی حیثیت سے تعارف کرانا کہاں تک درست ہے؟!

بعض مغربی مفکرین اور مستشرقین نے اسی طرح مسلمان حکماء اور فلاسفہ کے افکار و عطیات کی تہ میں یونانی فکر کا سراغ لگایا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ الکندی سے ابن رشد تک تمام فلاسفہ یونانی فلسفہ سے پوری طرح متأثر تھے اور یہ کہ اسلامی مآخذ و روایات میں تعقل و تفلسف کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ بعض فرانسیسی مصنفین نے یہاں تک کہہ دیا کہ

قرآن آزادانہ عقلی تدبر پر قدغن گاتا ہے اور اس کی تعلیمات جامد اور قوانین بے روح ہیں۔ان میں زمانے سے مطابقت نہیں پائی جاتی۔ قرآن مجید پران بے سر و پا اعتراضات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وحی الٰہی سے ناواقفیت اور جہالت کے ساتھ جاہلیت کی آمیزش نے کیا کیا گل کھلائے ہیں اور مستشرقین نے اسلام کو بدنام کرنے کی کتنی مذموم کوششیں کی ہیں۔

مصر کی فاضل محققہ ڈاکٹر فاطمہ اسماعیل نے اس طرح کی غلط فہمیوں اور دشنام طرازیوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے'القرآن و النظر العقلی' کتاب تصنیف کی، جس میں انہوں نے ثابت کیا کہ قرآن کریم دنیا کی واحد آسمانی کتاب ہے جس نے تعقل وتدبر پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی صحیح احادیث موجود ہیں،جن میں آپؐ نے غیب پر قائم اشکالات کو رفع کیا ہے،صحابہ کے سوالوں کے جوابات دیے ہیں اور بسا اوقات غیبی امور سے متعلق شکوک کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔مسلم سیاسی فکر کی اس تاریخ میں قرآن مجید کا اثر تو ہے،مگر غیر اسلامی افکار ومآخذ سے استفادہ بھی ہے۔کبھی قرآن کے اثرات غالب نظر آتے ہیں تو کبھی فلسفۂ یونان کے۔

مثالیت کے ساتھ حقائق سے ہم آہنگی

مسلم سیاسی فکر کی ارتقائی تاریخ میں ہمیں مثالیت اور عملیت دونوں کے نمونے ملتے ہیں۔بعض مفکرین نے دورِ خلافت کو اپنے لیے نمونہ تسلیم کیا ہے اور اس مثالی فکر اور ادارہ کی تزئین وتحسین اور توسیع کی ہے، جب کہ دوسرے مصنفین نے بدلتے حالات اور نئے تقاضوں سے متاثر ہوکر قابل قبول سیاسی فکر پیش کی ہے۔ یہاں علامہ ابن تیمیہ اور ابن الطقطقی کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ابن تیمیہ کا دور وہ ہے جب فتنۂ تاتار اپنے شباب پر تھا۔ایران وعراق کی سرزمین کو ملیامیٹ کر دینے کے بعد تاتاریوں نے شام کی جانب پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ وہ دور مسلمانوں کی مذہبی مناظرہ بازی کا دور بھی ہے۔حنبلی اور اشعری آئے دن مناظرے کیا کرتے تھے۔ابن تیمیہؒ نے قلم اور زبان

سے ہی نہیں، تلوار سے بھی جہاد کیا تھا۔ دمشق کا دفاع کرتے ہوئے انہوں نے مصری حکومت کی جانب سے شمشیر زنی کی تھی۔ ان کی سیاسی فکر کا محور یہ رہا ہے کہ مسلمان قرن اول کی طرف پلٹ جائیں اور کتاب وسنت سے سرمو تجاوز نہ کریں۔ اسی لیے انھوں نے تمام فرقوں اور مکاتب فکر کی زبردست مخالفت کی۔ وہ خوارج، مرجئہ، معتزلہ، جہمیہ، کرامیّہ، اشاعرہ، سب کے مخالف تھے، اس لیے ان کے عقائد کی تردید میں زبان اور قلم دونوں کا استعمال کیا۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ قرآن وحدیث کے نصوص کی تاویل نہ کی جائے اور ان کے لفظی معنی مراد لیے جائیں اس لیے مشبہہ اور مجسمہ کی بھی انہوں نے مخالفت کی اور تعطیل وتنزیہ کے عقیدہ کی بھی۔ صوفیہ، متکلمین، فلاسفہ، شیعہ، سب ان کی تنقیدوں کا نشانہ بنے اور اسی وجہ سے انھوں نے بار بار قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلیں، یہاں تک کہ زنداں ہی میں ان کا انتقال بھی ہوا۔ ان کی تصانیف **الامامة و السیاسة** اور **السیاسة الشرعیة فی اصلاح الراعی و الرعیة** نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ ان دونوں کتابوں میں حکم راں اور رعایا کے شرعی حقوق وفرائض کا بیان ہے اور معاشرہ کی اصلاح میں شرعی احکام کے کردار پر مفصل بحث ہے۔ جہاں بانی کے اصول، شرعی حدود اور اسلامی حکومت کے میزانیہ کی تفصیل ہے اور یہ سب خالصۃً قرآن وحدیث سے مستعار ومستفاد ہے۔ اس کے برعکس ابن الطقطقی کی **الفخری فی الآداب السلطانیة** حقیقت پسندانہ سیاست اور مصالح ومفادات پر مبنی فکر کا نمونہ ہے۔ اس میں عملی سیاست کے گُر بتائے گئے ہیں، گرچہ اس عملیت پر اخلاقی اصولوں کا پہرہ موجود ہے۔ مصنف کو ملوکانہ نظام کے جواز اور عدم جواز سے دل چسپی نہیں ہے۔ وہ ملوکیت کو فی نفسہ مذموم نہیں قرار دیتا۔ اسی طرح خلافتِ راشدہ کے نظام کو اپنے دور میں ناممکن الوقوع تصور کرتا ہے، کیوں کہ قرون اولیٰ میں پیغمبری اوصاف کا چلن تھا اور وہ حکومتیں آسمانی حکومتیں ہوا کرتی تھیں۔ اب بدلے ہوئے حالات میں اس کی نظیر پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ مصنف خلیفہ اور اس کے فرائض کا بھی ذکر کرتا ہے اور خلیفہ کے تقدس اور اس کے احترام کا بھی قائل ہے، مگر اسے غیر محدود اختیارات دینے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ عباسی

خلافت کی تباہی، ہلاکو خان کی بربریت اور مصر میں عباسی خاندان کا برائے تبرک مسند خلافت پر فائز رہنا، یہ سب اس کے ذہن میں تازہ تھے۔اس لیے وہ خلیفہ کو مذہبی امور تک محدود کر دینا چاہتا ہے اور اسے محافظ دین کا پروٹوکول دینے کا حامی ہے اور بس۔ وہ سکہ اور خطبہ کی چہار دیواری سے باہر خلیفہ کو دیکھنے کا روادار نہیں۔

ابن الطقطقی اخذ و استفادہ میں بھی واقعیت اور عملیت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ مسلم و غیر مسلم، عرب اور غیر عرب اقوام وملل کی تاریخ سے استدلال کرنے میں وہ کافی وسیع القلب واقع ہوا ہے۔ غیر مسلموں میں قدیم ایرانیوں، یونانیوں اور منگولوں کی تواریخ سے شہادت کی فراہمی میں اسے کچھ عار نہیں ہے۔شیعہ ہونے کے باوجود وہ مسلمانوں کے ہر فرقہ کے تاریخی واقعات سے مواد فراہم کرتا ہے۔ چنگیز خان کے بیٹے اکتائی خاں، ایرانی بادشاہ اردشیر، سکندر اعظم ،نوشیرواں عادل اور اس کے وزیر بزرجمہر کے اقوال اور خیالات اس کی کتاب کی زینت ہیں۔ یہ عملیت تا ہم اسلامی فکر کے اردگرد گردش کرتی نظر آتی ہے۔

عمرانی مطالعات کی تاسیس

مسلم سیاسی فکر تمدنی اور عمرانی مطالعات سے بھی مالا مال ہے علامہ ابن خلدونؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ ابن خلدون اسپین کے وہ مسلمان مصنف اور مفکر ہیں جنہوں نے تیونس، مراکش، غرناطہ، بجایہ وغیرہ مختلف مسلم سلطنتوں کی عملی سیاست میں سرگرم حصہ لیا، مختلف وزارتوں کی ذمہ داریاں سنبھالیں، سیاسی کشاکش اور شاہانہ سازشیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ان کا ذاتی تجربہ کیا، آخر میں افریقہ میں بنوعریف کے علاقے میں خلوت گزیں ہوکر اپنی مشہور زمانہ المقدمۃ لکھی۔آگے چل کر مصر میں فروکش ہوا تو تاریخ عرب و بربر لکھی، جو تاریخ العبر (۲ جلدیں) کے نام سے معروف ہے۔اس کتاب پر مصنف کی شہرت کا انحصار ہے اس میں ابتدائے تخلیق سے لے کر آٹھویں صدی کے اختتام تک عرب، بربر اور دیگر قوموں کی تاریخ بیان ہوئی ہے۔

مگر ابن خلدون کو شہرت دوام حاصل ہونے کی اصلی وجہ مقدمہ ابن خلدون ہے، جس میں مطالعۂ تاریخ کے اصول اور تاریخ نگاری کی اساسیات بیان ہوئی ہیں اور تمدن و معاشرت کی ترقی و زوال اور ان کے سیاسی نظام پر اثرات سے بحث کی گئی ہے۔

المقدمة کی دل چسپ بحث وہ ہے جو آبادی کی دو اقسام: حضارت اور بداوت اور ان کے اسباب و اثرات، حکومت کی اقسام اور خلافت و ملوکیت کی خصوصیات، سیاسی نظام کے عروج و زوال اور ان کے اسباب سے متعلق ہے۔ مصنف کے نظریۂ عصبیت کی تفصیلات اور اس کے دلائل بھی کافی موثر ہیں۔ سیاسیات اور تمدن میں جو گہرا ربط ہے اور حضارت کی ترقی سے سیاسی نظام پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں انہیں مصنف نے بڑی خوب صورتی سے اجاگر کیا ہے۔ اس لیے علمائے تاریخ سیاست عام طور پر ابن خلدون کو عمرانی مطالعہ کا بانی قرار دیتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریۂ ارتفاقات بھی اسی تمدنی و عمرانی منہج تحقیق کا مظہر ہے۔ ان کی سیاسی فکر میں مابعد الطبعیاتی رجحانات کے ساتھ مشاہدات و تجربات کو خاصا دخل ہے۔ انھوں نے استقرائی و استخراجی دونوں مناہج اختیار کیے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ اجتماعی اداروں کے متعلق غور و فکر کرنے کے لیے استقرائی دلیل دیتے ہیں کہ ان اداروں کے قیام کے محرکات و عوامل کیا تھے؟ پھر ازمنۂ قدیم کی تاریخ کو سامنے رکھ کر اس امر کا جائزہ بھی لیتے ہیں کہ یہ اجتماعی و معاشرتی ادارے کب وجود میں آئے اور ان میں وقتاً فوقتاً کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں؟ اس طرح وہ گزشتہ زمانوں کے تجربات اور اپنے مشاہدات کو کام میں لا کر اجتماع انسانی کی نظریہ کاری کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دلائل اور طرز فکر میں واقعیت اور مثالیت کا حسین امتزاج بھی ملتا ہے۔ خود ان کا نظریہ ہے کہ کامل وہ ہے جو جزو سے کل اور کل سے جزو پر آئے اور دونوں کے تضاد کو دور کرے۔ **البدور البازغة** میں ایک طرف وہ **الملّة القصویٰ** کا آئیڈیل تصور پیش کرتے ہیں، دوسری طرف انہیں خود ادراک ہے کہ ایسا معاشرہ ناممکن الوقوع ہے، اس لیے معیاری و مثالی تصور سے دست بردار ہوتے ہیں اور الفارابی سے ملتا جلتا نظریہ پیش

کرتے اور اس کا دفاع کرنے لگتے ہیں۔[۹]

جدید مطالعات کے منہجی مسائل

اسلامی سیاسی فکر کے معاصر مطالعات میں ایسے مسلمات اور منہاجی اساسیات کی کارفرمائی نظر آتی ہے جو اسلامی سیاسی میراث سے تعامل کرتے وقت اسے مجمل اور اس کی ماہیت اور حدود کو بہت محدود قرار دیتی ہیں اور اپنے لیے اور نتائج بحث کے جواز اور اس کی تعلیل کے لیے ماخذ کی نمائندگی کرتی ہیں۔ معاصر مطالعات نے اس میراث کے مآخذ کا احاطہ نہیں کیا اور اس کے لیے علمی منہاج کے ان اصولوں کا استعمال نہیں کیا جو تعمیم سے قبل استقرا کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس مظہر کا احاطہ کرنے اور اس کے تمام مفردات کو جمع کرنے کو ناگزیر تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح ان مطالعات میں کوئی ایسا منہاجی اصول بھی استعمال نہیں کیا گیا جو بغیر منصوبہ بندی کے انتخاب کے نمونہ کے اسلوب کو یا صورت حال کے مطالعہ کو یا کسی ایسے وسیلہ کے استعمال کو جائز قرار دے جو علمی منہاجیات میں معروف ہیں۔ ان تمام علمی مناہج کا ناگزیر تقاضا یہی ہے کہ مظہر سے آشنائی حاصل کی جائے اور اس کے حجم وحدود میں بحث کے مقام کو متعین کیا جائے، پھر سابقہ طریقوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا جائے۔ ان مطالعات کی حالت یہ ہے کہ انہیں پورا اطمینان ہے کہ اسلامی سیاسی میراث کے جن مآخذ کی طرف رجوع کیا گیا ہے وہی اس میراث کے تمام ذخائر ہیں، ان سے باہر کوئی چیز بچی نہیں ہے اور یہ مندرجہ ذیل مسلمات اور منہاجی بنیادوں سے یا ان میں سے بعض سے تاثر پزیری کا نتیجہ ہے:

ا۔ تہذیبی ارتقاء میں وحدت

اوّل پورے فکر سیاسی کا مطالعہ ایک مفروضہ کے تحت کیا گیا ہے کہ تہذیبی و ثقافتی ارتقا میں وحدت پیدا ہوگئی ہے، کیوں کہ تمام تہذیبیں اور تمام ثقافتیں ایک ایسے عام سیاق کا حصہ ہیں جو ایک عالمی تہذیب اور واحد انسانی میراث کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے جسے یورپی عقل نے ایک علمی حقیقت اور بلا اختلاف بدیہی مسلمہ بنانے

کے لیے بڑی تگ ودو کی ہے۔ اس نے اپنی تاریخ، اپنی ثقافت اور اپنے افکار کے ارتقا کو فکر انسانی کا ارتقا اور اس کی تاریخ و ثقافت قرار دیا ہے اور دوسری تمام تہذیوں پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اس مربوط تسلسل میں اپنا مقام تلاش کریں اور ایک انسانیت نواز اور ایک عالمی تہذیب کے دعویٰ کے ساتھ کیا ہے۔ یہ امر بدیہی تھا کہ فکر سیاسی کی کتابوں میں آغاز یونان سے ہوتا، پھر رومیوں کا تذکرہ ہوتا پھر ازمنۂ وسطی (مسیحیت اور اسلام) کا جائزہ لیا جاتا، پھر ترقی وروشن خیالی کا دور آتا اس کے بعد پھر جدید یوروپی نظریہ سے بحث ہوتی۔ اس ترتیب میں فارس، ہند، چین، مابین النہرین کے علاقہ اور فراعنہ کی تہذیبوں کی علمی خدمات کو مکمل نظر انداز کیا گیا ہے اور تہذیب اسلام سے، جس نے چودہ صدیوں تک ضیا پاشی کی ہے، پوری لاتعلقی ظاہر کی گئی ہے۔ ان تہذیبوں کی قطع و برید کر کے تاریخ کی اس یوروپی تقسیم کے چوکھٹے میں انھیں فٹ کر دیا گیا ہے جو قدیم، وسطی اور جدید ادوار پر مشتمل ہے اور اس میں تاریخ یوروپ کو دنیا کی تاریخ کے لیے آئینہ قرار دیا گیا ہے گویا یوروپ کی تاریکی پوری دنیا کی تاریکی ہے اور اس کی روشنی اقصائے عالم کی روشنی ہے۔

۲۔ تاریخِ یورپ کی تعمیم

اسلامی سیاسی میراث اسی دور میں محصور ہے جس میں یورپ کے مسیحی سیاسی فکر نے اپنے کو محصور پایا تھا۔ گویا مسیحی یوروپ کی تاریخ کو تاریخ اسلام پر تھوپ دیا گیا۔ اسی لیے بعض انہی مفکرین کے ساتھ تعامل ہوا جن کا تاریخی وجود یورپ کے عہد وسطیٰ کے وقت میں حسن اتفاق سے عمل میں آیا۔ عہد وسطیٰ سے ماقبل و مابعد کے ادوار میں کوئی اسلامی سیاسی میراث دریافت نہیں کی گئی، کیوں کہ ان ادوار میں یورپ میں کوئی مسیحی سیاسی میراث موجود نہ تھی۔ اس کی نمائندگی نصف صدی سے علمی عربی عقلیت کے لیے ایک علمی و سائنسی نسق وانضباط سے ہوتی ہے، جو اپنی ذات اور شخص پر دوسروں کی نگاہ ڈالتا رہا ہے اور اپنی میراث اور اپنے حالات کو اسی عینک سے دیکھتا رہا ہے جس کو یورپی عقل نے استعمال کیا تھا اور جو آج بھی اس کے استعمال میں ہے۔ وہ ہے 'علمیت' اور 'معروضیت'۔[۱۰]

۳۔ یونانی ثقافت کا تغلّب

اسلامی سیاسی میراث کے ساتھ تعامل میں یونان کو ماخذ ومصدر تسلیم کرنے سے دو لازمی نتائج نکلے:

(الف) انہی افکار، مسائل و مقدّمات اور مقولات سے بحث کی گئی ہے جو علوم سیاسیہ کے یونانی علمی نظام سے ہم آہنگ تھے۔ جہاں اس نظام کی خصوصیات موجود نہ تھیں وہ علم سیاست اور اس کے فکر کے دائرہ سے باہر قرار پائے اور ان افکار ونظریات کو ادب، فقہ یا امراء کے آئینوں کی فہرست میں ڈال دیا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا، مگر اسلام کے توحیدی نظام اور یونان کے اس بت پرستانہ نظام میں موجود بنیادی اختلاف کے آثار وحدود کا ادراک نہیں کیا گیا، جس کا اصرار ہے کہ اس کا اپنا علمی تناظر ہے، جس کا نظریۂ الٰہ، نظریۂ انسان و کائنات اور نظریۂ وجود تمام تر اسلامی تناظر سے مختلف اور متصادم ہے۔ اس نقّالی میں دونوں نظاموں کا الگ الگ استقرا نہیں کیا گیا اور ان کی داخلی تعمیر اور علمی مسلمات کی روشنی میں ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس لیے بیش تر مطالعات میں ان مسلم فلاسفہ پر توجہ مرکوز کی گئی جنھوں نے اسلامی اصطلاح اور عربی زبان میں یونانی فلسفہ کے انعکاس کی نمائندگی کی تھی، اس فلسفہ کا حصہ بن کر یونانی فلسفہ اور اسلامی عقیدہ کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور اس قضیہ کے مضمون پر کوئی غور وتدبر نہ کیا تھا۔ یہاں قابل لحاظ چیز اس فلسفہ کا مضمون نہ تھا، بلکہ اس کا خارجی بُعد تھا، کیوں کہ فکر اسلامی پر اسی مثالیت اور حقائق سے دوری اور خیالیت کی تھاپ لگا دی گئی تھی جو یونانی فکر کا خاصہ تھی، تاہم یونانیت کا یہ اثر طبقۂ فلاسفہ سے متجاوز نہ ہوا۔

(ب) فکر اسلامی پر یونان کی نقّالی کی تہمت لگائی گئی، بلکہ بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی سیاسی فکر پورا یونانی اصولوں سے ماخوذ ہے اور اس سے ہٹ کر مستقل حیثیت میں اسلامی سیاسی فکر نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔[۱۱]

۴۔ شخصی تصوّرات کی ترکیز

اسلامی سیاسی میراث سے تعامل میں شخصی تصور کا سہارا لیا گیا اور یہ مندرجہ ذیل طریقۂ مطالعہ کا نتیجہ تھا:

(الف) سیاسی میراث پر اس طرح نظر ڈالی گئی کہ وہ عفریتوں کا ایک مجموعہ ہے، جن پر 'شخصی مظہر' کا مفہوم منطبق کیا گیا، جیسے تاریخ میں ہیرو کا تصور ہوتا ہے۔ اس میراث کو اس تناظر میں نہیں دیکھا گیا کہ یہ ایک وسیع اور دراز میراث ہے، جس میں تسلسل بھی ہے اور تہ بہ تہ جمع ہونے کا عمل بھی۔ اس میں ہر لاحق اپنے سابق سے متصل ہے اور اس سے استفادہ کرتا اور اس پر اضافہ کرتا ہے۔ اس طرح ان تمام کا علمی مصدر اور سرچشمہ ایک ہے، جو وحی (قرآن وسنت) اور وجود (تاریخ اور حقائق) کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ اس طریقۂ مطالعہ کے نتیجے میں الماوردی، ابن خلدون، ابن سینا، الفارابی، ابن تیمیہ اور الغزالی جیسی بلند و بالا شخصیات کے افکار کو اس طرح پیش کیا گیا کہ یہ شخصی مظاہر ہیں، جن کی تخلیقیت اور مہارت اس عبقریت کی دین ہے جو شخصیت کے ذاتی عوامل سے متعلق ہے اور کسی امدادی فکری ارتقا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، جس میں ارتقاء اور تہ بہ تہ جمع ہونے کی کوئی کیفیت ہو اور ذہانت اور شخصی وعقلی امتیازات کی مقدار بھی شامل ہو۔

یہ نظریہ اتنا مستحکم ہو گیا کہ اسلامی سیاسی فکر کی تاریخ عباقرہ اور ماہرین کی ایک محدود تعداد کی تاریخ بن کر رہ گئی، جب کہ عبدالرحمٰن بن خلدون جیسے مفکر کے اساسی افکار کی جڑیں ابن المقفع، ابن ابی الربیع، الجوینی، الغزالی، ابن الطقطقی، المرادی، ابن رضوان المالقی اور ابن حزم وغیرہ میں پیوست نظر آتی ہیں۔

(ب) اشخاص سے بحث کی گئی، افکار سے نہیں۔ اس صورت حال نے تعامل کی ایسی شکل نکالی کہ ان مفکرین کے فکر کے ساتھ منہاجی تعامل نہ ہوگا جو شخصی مظاہر قرار دیے گئے تھے، کیوں کہ ان کی کسی ایک تالیف پر توجہ دی گئی، جیسے الماوردی، الغزالی اور ابن قتیبہ کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا گیا۔ اسی طرح ان کی شخصیت کی عبقریت کو ان کے

افکار پر بھی منطبق کر دیا گیا اور انھیں ان کے زمانی و مکانی دائرہ سے خارج کر دیا گیا اوران تاریخی و معاشرتی حالات کا گہرائی سے جائزہ نہ لیا گیا جن میں وہ افکار ظہور میں آئے اوران پر حالات و مفاہیم کی تبدیلی سے قطع نظر کر کے مستقل الفاظ کی وحدت کے تصور کے تحت عمومیت کی صفت چسپاں کر دی گئی۔ مثال کے طور پر ابن خلدون کے نظریاتِ تہذیب و ریاست وعصبیت کے ساتھ تعامل اس طرح ہوا کہ ان سے مراد معاصر مفاہیم وتصورات ہی تھے۔ حالاں کہ وہ تاریخی سیاق اور معاشرتی وحدتیں تبدیل ہو چکی تھیں، جن میں ان الفاظ کا اطلاق کیا گیا تھا، چنانچہ اس سے خود لفظ کا مفہوم بدل گیا۔ یہی چیز ابن تیمیہؒ کے افکار ومفاہیم پر بھی منطبق ہوتی ہے، جنہیں ان کے تاریخی سیاق سے ہٹا کر ان پر عموم کی وہ صفت چسپاں کر دی گئی جو انہیں مقدس بنا دیتی ہے، جب کہ اسلام اطلاق کی صفت قرآن اور صحیح احادیث کے لیے خاص کرتا ہے، کیوں کہ وہ اس خدا کی جانب سے ہیں جو زمان و مکان کی حدود سے پرے ہے اوران میں خدا کی ذات کو سمویا نہیں جاسکتا۔ جہاں تک کسی انسانی فکر کا تعلق ہے اس پر زمان ومکان کا سایہ پڑنا لازمی ہے۔

(ج) اسلامی سیاسی میراث کے ساتھ تعامل میں شخصی تصور ایک تیسرے طریقۂ مطالعہ کی حیثیت میں داخل کیا گیا اور اس کی شکل یہ ہوئی کہ کبار علمائے اسلام اور فقہائے عظام کو ہر چیز کے لیے مصدر و مآخذ بنالیا گیا اور ان سے ایسے مسائل میں بھی بولنے کی خواہش کی گئی، جن کے بارے میں انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا، یا ان سے دل چسپی نہیں لی تھی۔ ان مفکرین سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ ان مسائل کا حل پیش کریں جو آج ہماری دل چسپی کے ہیں اور جن کی ضرورت آج ہمیں ہے، انھیں نہ تھی۔ بعض ایسے علماء ہیں جن سے سیاسی افکار کے لیے رجوع کیا گیا، حالاں کہ اس مظہر نے ان کی دل چسپیوں کو متوجہ نہ کیا تھا، نہ انہوں نے اس پر کچھ لکھا تھا اور نہ کوئی مستقل بحث کی تھی۔ چناں چہ آج صورتِ حال یہ ہے کہ اسلامی سیاسی فکر اور اس کے مسائل پر معاصر لٹریچر کے بیش تر مآخذ ایسے علماء وفقہاء سے رجوع کرتے نظر آتے ہیں جن کا اس فکر سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ کتابیں ان کے افکار ونظریات کو توڑ مروڑ کر مصنف کی اس ضرورت کو پورا

کرتی ہیں کہ ان افکار کے استناد کے لیے میراث کا حوالہ موجود رہے۔

۵۔ شکل اور عنوان پر زور

شکل، عنوان اور اسلوب پر نظر چلی گئی اور افکار کے مضمون کا تجزیہ اور ان کا گہرائی سے مطالعہ نہ کیا گیا۔ تعمیم کی تنفیذ کے لیے خطاب کی زبان پر انحصار کیا گیا اور اس طرح کے تبصرے کیے گئے کہ اسلام میں سیاست بس کچھ 'اخلاقی نصائح' ہیں یا 'امراء کے آئینے' یا ایران و یونان وغیرہ کے تصورات کا انعکاس ہے۔ اس لغوی ساخت کے فکری مضمون کی تحلیل و تجزیہ میں کوئی محنت صرف نہ کی گئی جس کا ظاہر بھی جذباتی یا ادبی زبان کے رنگ میں رنگا ہوا تھا اور کبھی اس نے شعر یا نثر کا پیراہن زیب تن کر لیا تھا اور بسا اوقات سیاق وسباق سے کاٹ کر ان کا مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی گئی۔ انہی لمحات میں یونانی ورثہ سے تعامل میں دوسرا منہاج اختیار کیا گیا۔ یونانی اشعار، محاوروں، ڈراموں اور مکالمات کو بھی علم وفکر اور معرفت کا سرچشمہ قرار دے دیا گیا اور فکر سیاسی کے کسی مفکر یا محقق نے یونانی ادب کے ظاہر پر توقف کر کے اسے علم سیاست کے دائرہ سے خارج نہ کیا اور نثر یا ادب کی کسی صنف تک محدود کرنے کی اس طرح کی جرات نہ کی، جیسا کہ اسلامی سیاسی میراث کے ساتھ ہوا، جس نے اپنے ادبی خطاب کو عوامی رنگ نہ دیا، بلکہ اس خطاب کی غالب اکثریت نے اپنے افکار کو ایسی منظّم منہاجی شکل میں تحریر کیا جو چند مقدّمات پر، تحلیل وتفسیر پر اور نتائج اور سفارشات پر قائم ہے۔ اسی طرح فصلوں کے عنوانات اور ان کی تکرار اسلامی سیاسی میراث سے تعامل کرنے والی اکثر معاصر کتابوں میں نظر آتی ہے۔ اس مقولہ کا اطلاق کیا گیا کہ اسلامی سیاسی فکر خود اپنے کو دہراتا ہے۔ اس حقیقت کا ادراک نہ کیا گیا کہ یہ عنوانات مسلمانوں کے ہاں سیاسی مظہر کی تحلیل کی وحدتوں کی تعبیر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر معاصر سیاسی نظام حیات پر کوئی کتاب سلطنت اور اس کے اختیارات، سلطنت اور سیاسی پارٹیوں کے روابط، مفادات کی دھڑے بندیوں اور قرارداد کی تجویز وغیرہ فصلوں سے خالی نہ ہوگی، مگر مضمون یا مشتملات میں تکرار نہ ہوگی۔ جہاں تک اسلامی سیاسی میراث کے لٹریچر کا تعلق ہے ان سے تعامل

عنوان کی حدود پر آ کر رک گیا۔مؤخر الذکر مقولہ کا اطلاق کر لیا گیا اور اسے ایک ایسامسلّمہ مان لیا گیا جوعلمی بحث وتحقیق کی راہ میں رکاوٹ بن گیا، جب کہ قابل غور یہ پہلو بھی ہے کہ اگر محض تکرار نظر آئی تھی تو اس مظہر کا مطالعہ بھی ہونا چاہیے تھا، تا کہ اس کے اسباب کا پتہ لگایا جاسکتا اور معلوم کیا جاسکتا کہ آیا تقلید کا چلن ہو گیا تھا؟ اور مختلف فقہی اور فلسفیانہ مذاہب کے درمیان صورت حال کیا تھی؟ کیا احوال وظروف کی مشابہت کی وجہ سے تکرار تھی؟ یا زمانہ کا مزاج اوراس کی سست رفتاری اس کی وجہ بنی؟

۶۔فقہی تناظر پر زور

اسلامی سیاسی میراث کوفقہی تناظر سے منسلک کر دیا گیا اور اس ذخیرہ کوفقہ کا ایک حصہ بنادیا گیا، جب کہ فقہ اورفکرسیاسی کے درمیان اصطلاح اور علمی مظہر دونوں اعتبار سے بیّن فرق موجود تھا۔ یہ رجحان اس لیے ابھرا کہ دور جدید کے اسلامی سیاسی فکر کے مصنفین کی اکثریت دستوری وقانونی پس منظر یا فقہی شرعی تناظر رکھتی تھی، کیوں کہ عربی علم سیاست نے اس صدی میں اپنے ظہور سے ہی مکمل جلا وطنی کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس لیے اسلامی میراث میں سیاسی مظہر کی بحث قانونی اورفقہی تناظر ہی میں مکمل ہوسکی۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ الماوردی کی الأحکام السلطانیة دوسری ان کتابوں سے زیادہ مقبول اور مروّج ہوئی جو دستوری قانون نہیں، بلکہ علم سیاست کے تناظر میں زیادہ اہم سیاسی افکار وتحلیلات پر مشتمل تھیں۔اس تصور نے یہاں تک معاملہ کو پہنچایا کہ کہا گیا کہ اسلامی سیاسی فکر کی عدم موجودگی اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کی تفسیر ہے۔ اس لیے معدودے چند مفکرین کے سوا عام طور پر سیاسی مصنفین کے یہاں اسلامی سیاسی فکر کے عدم ارتقاء کا جواز ڈھونڈ لیا گیا۔

۷۔قوت کے مظہر پر ارتکاز

قوت کے مظہر یا اقتدار پر بحث مرتکز رہی، جو معاصر مغربی سیاست کے مفہوم اوراس کی تعریف کی روح ہے۔ یہ سمجھ لیا گیا کہ اس کے مظہراس کے تصورات، اس کے

مسائل، اس کی ابعاد ادراکائیوں کی عدم موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں علم سیاست نام کی کوئی چیز نہ تھی اور اسلام میں علم سیاست کی تعریف اس کی ماہیت، اس کی تحلیل، وحدتوں اور تصورات و مفاہیم سے، جو سیاست کے معاصر مفہوم سے مختلف تھے، بالکل لاعلمی ظاہری گئی[۱۲] اسلام میں سیاست کا علم تو مصلحت و مفاد کے مفہوم سے مربوط ہے۔ یہ علم نام ہے انسانوں کو صلاح سے ہم کنار کرنے اور فساد سے انھیں دور کرنے کا۔ اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: ''مصلحت کا حصول اور فساد کا خاتمہ۔''[۱۳] یہ وہ تعریفیں ہیں جو مسلمانوں کی پوری تاریخ میں علم سیاست کے مصنفین کے یہاں رائج رہی ہیں۔

یہ وہ اہم مسلّمات ہیں جو اسلامی سیاسی میراث سے معاصر لٹریچر کے تعامل کے لیے منہاجی اساسیات کی نمائندگی کرتے ہیں اور اس کی بنیاد پران نتائج کی تعیین کرتے ہیں جن تک ان کی رسائی ہوئی اور اس اتفاقی اور انتخابی طریقہ کے جواز کے لیے ماخذ کا کام کرتے ہیں جو اس میراث کے معاصر عامل کی منہاجیات پر حاوی ہے۔ ان معاصر مطالعات میں موجود منہجی خامیوں کی وجہ سے کلاسیکی سیاسیاتِ اسلام کی صورت مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر قسم کے تحفظات و تعصّبات سے بالاتر ہو کر قدیم اسلامی سیاسی فکر کو اُس کے صحیح تناظر میں پیش کیا جائے اور معیارِ تحقیق بس قرآن مجید کی آیات ہوں اور احادیث صحیحہ۔ تاریخ اسلام کی روایات، فقہاء و مفسرین کی تصریحات اور علومِ کلام و تصوف کی تعبیرات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، مگر انھیں معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حواشی و مراجع

۱۔ علی متقی برہان پوریؒ نے کنز العمال (حدیث نمبر ۱۴۶۱۳، بہ حوالہ دیلمی عن ابن عباس) میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: ''**الاسلام والسلطان أخوان تـوأمان ، لايصلح واحد منهما الا بصاحبه ،فالاسلام أسٌّ والسلطان حارس ،وما لا أسَّ لـه ليهدم ، وما لاحارسَ له ضائع.**'' (اسلام اور حکومت وریاست دو جڑواں بھائی

ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں رہ سکتا۔اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اورحکومت اس کی نگہبان ہے۔جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ منہدم ہوجاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ ضائع ہوجاتا ہے۔) یہ روایت ضعیف ہے۔

۲۔ ملاحظہ کیجیے:ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی معرکہ آرا تصنیف '**الصحوة الاسلامية بين الجحود والتطرف**، الأمة، قطر۔اس کا اردو ترجمہ مولانا محمد سلمان ندوی کے قلم سے مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع ہوچکا ہے،جس کا نام ہے:'اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں'

۳۔ ملاحظہ کیجیے میری تازہ کتاب:'اسلامی سیاست کے زاویے۔ایک تاریخی مطالعہ،ادارۂ علوم اسلامیہ،علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی،۲۰۲۰ء،ص۲۴-۲۵

۴۔ جامع الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة،حدیث نمبر:۲۶۸۷

5- Rosenthal,I.J. Political Thought in Medieval Islam, Cambridge University Press, 1962, P.67

۶۔ حوالہ سابق،ص۶۹

۷۔ ملاحظہ کیجیے ڈاکٹر فاطمہ اسماعیل مصری کی عربی تصنیف **القرآن والنظر العقلی** کا اردو ترجمہ 'عقلیات قرآن کریم'،راقم کے قلم سے، جسے ادارۂ علوم اسلامیہ،علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے ۲۰۱۰ء میں شائع کیا ہے۔ یہ ترجمہ بڑی تقطیع میں ۴۲۸صفحات پر مشتمل ہے۔

۸۔ ملاحظہ کیجیے: راقم کی کتاب 'اسلام کی سیاسی فکر اور مفکرین۔پہلی صدی سے شاہ ولی اللہ دہلوی تک'،القلم پبلی کیشنز بارہ مولہ،کشمیر،۲۰۱۱ء،ص۲۰۵-۲۰۹

۹۔ حوالۂ سابق،ص۲۱۱-۲۱۴

۱۰۔ اسے انگریزی میں Euro-Centrism کہتے ہیں۔میں نے اس کا ترجمہ کیا ہے:'فکر وثقافت میں یورپ کی طوّافی'۔ملاحظہ کیجیے میرا مضمون:'سماجی علوم میں یورپ کے گرد طوّافی (حیدرآباد کا ایک علمی سفر)،سہ ماہی اسلام اور عصر جدید،نئی دہلی،جلد۵۲،شمارہ۲/اپریل۲۰۲۰ء،ص۱۳-۳۹
تاریخ وثقافت میں یورپ کی تعمیم اور اس کے گرد سماجی علوم کی طوّافی اکیسویں صدی کا سب سے بڑا چیلنج ہے،جس سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔اس فکری طوّافیت سے ہٹ کر متبادل افکار اور ثقافتوں کی تلاش پر معروف مورخ ادتیہ مکھرجی نے بڑا زور دیا ہے: دیکھیے:

Mukherjee,Aditya,Challanges to the Social Sciences in the 21st Century, Economic and Political Weekly, Vol.XLVIII, No 37 September14,2013

۱۱۔ بدوی، عبدالرحمٰن، **الأصول اليونانية للنظريات الاسلامية**، قاہرہ، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ، ۱۹۵۴ء، ص۷۲۔ مجھے یاد ہے ایک بار پروفیسر جلال الحق سابق صدر شعبۂ فلسفہ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے کانفرنس ہال میں طلبہ واساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے 'تاریخ اسلام میں فروغ پانے والے مسلم فلسفہ کو یونان کی نقالی کرنے کی وجہ سے 'شیطانی فلسفہ (Satanic Philosophy) قرار دیا تھا، جس کی بھول بھلیّوں میں قرآن کا صاف اور روشن پیامِ توحید بھٹکتا رہا۔ پروفیسر جلال کے اس بیان پر کافی ہنگامہ ہوا تھا۔

۱۲۔ کلاسیکی سیاساتِ اسلام پر جدید منہجی مطالعات اور ان میں فرض کردہ سات مسلّمات ڈاکٹر نصر محمد عارف کی رجحان ساز تصنیف 'في مصادر التراث السياسي الاسلامي. دراسة في اشكاليات التعميم قبل الاستقراء والتأصيل سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ راقم نے 'سیاساتِ اسلام۔ بنیادی عربی مآخذ کا مطالعہ' کے نام سے کیا ہے، جس کی اشاعت ادارۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے ۲۰۱۷ء میں ہوئی ہے۔ ملاحظہ کیجیے متعلق بحث، ص۶۸۔۷۵

۱۳۔ جَلبُ المَنفَعَةِ وَدَرءُ الفَسَادِ کا حصول مقاصدِ شریعت میں اہم ترین مقام رکھتا ہے۔ دین ودنیا کی بھلائی اور ظلم وفساد کا خاتمہ اسلامی عمرانیات کا اُمّ المقاصد ہے۔ دورِ جدید میں مسلمان دانش وروں نے اسلامی سیاست کے اہداف کو پوری صراحت ووضاحت سے بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی نے سیاساتِ اسلام کی بحث میں درج ذیل امور کو یقینی بنانے پر زور دیا ہے:

(الف) قرآن وسنت سے وابستگی تمام تحفظات کو بالائے طاق رکھ کر۔
(ب) شورائی نظام کے قیام کے ذریعہ شہریوں کی سیاسی عمل میں شرکت کو یقینی بنانا۔
(ج) ہر شہری کے لیے بنیادی حقوق اور سماجی انصاف کا حصول۔
(د) فلاحی ریاست کی تنظیم۔
(ہ) غیر مسلم شہریوں سے ہمدردانہ تعامل اور انسانیت نوازی کی بنیاد پر تعلقات کی استواری۔
(و) حقوقِ خواتین کی ادائیگی اور ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ۔
(و) غربت کا ازالہ اور عام کفالت کا اہتمام۔
(ز) بین الاقوامی سطح پر تعاون کی خارجہ پالیسی۔

ملاحظہ کیجیے مقاصدِ شریعت (نظرثانی شدہ ایڈیشن) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، دسمبر ۲۰۱۷ء، ص۴۰۔۶۰

تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں

مولانا سید جلال الدین عمری

آج اسلامی تہذیب کو مغربی تہذیب کے لیے ایک چیلنج سمجھا جا رہا ہے اور اس کی تصویر بگاڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کبھی تو اس کے مستقل وجود ہی سے انکار کیا جاتا ہے۔ پیشِ نظر کتاب میں تہذیب و سیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار، سلام، امن و سلامتی کا پیغام، تحائف کی دینی و سماجی حیثیت، اسلام اور اصول سیاست، اسلام اور سیاست، اسلام کا شورائی نظام، مغرب اور انسانی حقوق کی تحریک، اسلام اور انسانی حقوق کی ضمانت جیسے موضوعات پر اسلامی نقطۂ نظر سے گفتگو کی گئی ہے اور بعض سوالات یا اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے مختلف مواقع پر سپردِ قلم فرمائے تھے اور وہ مجلّہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں شائع ہوئے۔ ان کی یکجا ترتیب سے تہذیب وسیاست کے میدان میں اسلام کے نقطۂ نظر کی عمدہ پیرائے میں وضاحت ہوتی ہے اور اس کی تعمیر میں اسلام کا انقلابی کردار نمایاں ہوتا ہے۔

صفحات:96 **قیمت:65روپے**

ملنے کا پتہ:

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی 110025

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ 202002

قرآن مجید کے بعض انگریزی تراجم

چند تسامحات کا ازالہ

ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری

انگریزی زبان میں قرآن کریم کے تراجم کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان علماء کی جانب سے انگریزی تراجم قرآن کا آغاز مرزا ابوالفضل (۱۸۶۵۔۱۹۵۶ء) نے ۱۹۱۱ء میں کیا۔ انھوں نے نزولی ترتیب کے مطابق اپنے ترجمۂ قرآن کو The Quran کے نام سے شائع کیا۔ حیرت دہلوی نے مختلف مستشرقین کے تراجم قرآن کو ایڈٹ کر کے The Quran Prepared کے نام سے ایک ترجمہ قرآن تیار کیا اور ۱۹۱۲ء میں دہلی سے دو جلدوں میں شائع کیا۔ علمی حلقوں میں ان دونوں تراجم کو پسند نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے پہلا قابل ذکر ترجمہ حافظ غلام سرور (۱۸۷۳۔۱۹۳۸ء) کے قلم سے ۱۹۲۹ء میں Translation of the Holy Quran کے عنوان سے ووکنگ (انگلستان) سے طبع ہوا۔ عبداللہ یوسف علی (۱۸۷۲۔۱۹۵۳ء) اور محمد مارڈیوک ولیم پکتھال (۱۸۷۵۔۱۹۳۶ء) ہم عصر تھے۔ دونوں کے تراجم قرآن کی پذیرائی کا یہ عالم ہے کہ ابھی ان تراجم کو منصۂ شہود پر آئے ایک صدی مکمل نہیں ہوئی کہ ان کی ڈیڑھ سو سے زیادہ اشاعتیں سامنے آچکی ہیں۔ پچھلی سات آٹھ دہائیوں میں اہل علم ان دونوں تراجم کو تنقید کا نشانہ بناتے رہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ناقدین کی کج ادائیوں پر گرفت کرنے والے بھی ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ سہ ماہی 'تحقیقات اسلامی' علی گڑھ کے مرکز علم و ادب کا ایک وقیع مجلّہ ہے۔ اعلیٰ علمی مضامین کو سامنے لانا اس کی پہچان ہے۔ اس وقت اس مجلّے کے دو شمارے پیشِ نظر ہیں۔ اس مقالے میں ٹھوس دلائل اور

حوالوں کی مدد سے دو سینئر محققین-معروف تذکرہ نگار ڈاکٹر عبداللطیف اعظمی اور جناب امین الحسن رضوی-کے چند تسامحات کو پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

پہلا مقالہ جناب امین الحسن رضوی کے قلم سے بہ عنوان 'عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمۂ قرآن (چند اصلاح طلب پہلو)' ہے۔ یہ مقالہ اکتوبر-دسمبر۱۹۹۲ء میں شائع ہوا تھا۔ موصوف جس ترجمۂ قرآن کے چند اصلاح طلب پہلوؤں کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں اس کا عنوان یوں لکھتے ہیں:

Holy Qur'an, Text, Translation and Commentary

اس عنوان میں Holy سے پہلے The نہ لکھنا توجہ طلب ہے۔

موصوف نے عبداللہ یوسف علی کے ساتھ محمد مارماڈیوک ولیم پکتھال کے انگریزی ترجمۂ قرآن کو بجا طور پر دوسرا متداول ترجمہ قرار دیا ہے، لیکن اس کا عنوان ان الفاظ میں لکھا ہے:

Meaning of the Glorious Koran

اس عنوان میں دو باتیں توجہ طلب ہیں: اول Meaning سے پہلے The کی عدم موجودگی اور دوم لفظ 'قرآن' کے لیے انگریزی ہجے Koran کو پسند کرنا۔ انگریزی زبان میں The کی اہمیت سے اہل علم آگاہ ہیں۔ انگریزی تحریروں میں اس کی وہی حیثیت ہے جو عربی عبارتوں میں اسم نکرہ کو معرفہ بنانے والے 'ال' کی ہے، یعنی اگر کوئی Holy Quran سے پہلے The نہ لکھے گا تو اس کا امکان ہے کہ وہ قرآن کریم کی عظمت و توقیر میں استخفاف کا مرتکب ہو رہا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص Meaning of the Glorious Quran سے پہلے The لکھنے کو ضروری نہ سمجھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان معانی کی شان کو کم مان رہا ہے جن کو قرآن کریم سے نسبت ہے۔ لفظ 'قرآن' کے لیے انگریزی کے جو ہجے (Koran) لکھے گئے ہیں: اس کے حوالے سے جناب عبداللطیف اعظمی نے جو شکوہ کیا ہے، اس کو راقم نے بھی محسوس کیا ہے۔ اعظمی صاحب اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''رضوی صاحب کے مضمون کو پڑھا تو بڑی حیرت ہوئی اور افسوس بھی کہ اتنے اہم مضمون کا حق ادا کرنے کے لیے جس قدر محنت اور تحقیق و تفتیش کی ضرورت تھی، اس کا دسواں حصہ بھی ادا نہیں کیا گیا۔''[۱]

یہاں قارئین کی توجہ اس جانب مبذول کرانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اعظمی صاحب نے جب محولہ بالا دونوں انگریزی تراجم قرآن کا ذکر رضوی صاحب کے حوالے سے کیا تو انھوں نے بھی دونوں تراجم کا نام The کے سابقے کے بغیر تحریر کیا۔ لکھتے ہیں:

''اس وقت برصغیر ہندو پاک میں قرآن شریف کے دو انگریزی تراجم زیادہ معروف و مقبول ہیں: ایک تو عبداللہ یوسف علی صاحب کا کیا ہوا، جو 'ہولی قرآن۔ ٹیکسٹ وٹرانس لیشن اینڈ کمنٹری' کے نام سے دست یاب ہے اور دوسرا محمد مارماڈیوک پکتھال (عیسائی نژاد نومسلم) کا، جو 'میننگ آف دی گلوریس قرآن' کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔''[۲]

لفظ 'قرآن' کے لیے درست انگریزی اسپیلنگ تو Qur'an ہے، لیکن مغربی مشنری عیسائی علماء جارج سیل (۱۶۹۷۔۱۷۳۶ء)، جے، ایم، راڈویل (۱۸۰۸۔۱۹۰۰ء) آرتھر، جے، آربری (۱۹۰۵۔۱۹۶۹ء) اور یہودی اسکالر این، جے، داؤد (۱۹۲۷۔۲۰۱۴ء) نے Koran لکھا۔ مسلمان علماء نے K سے قرآن لکھنے کو کبھی پسند نہیں کیا۔ پکتھال کے ترجمۂ قرآن کی جو ڈیڑھ سو سے زیادہ اشاعتیں ہو چکی ہیں ان میں کچھ ناشرین نے ٹائٹل صفحے پر اپنی جہالت یا تعصب کی بنا پر لفظ Koran لکھا ہے۔ راقم کا گمان ہے کہ رضوی صاحب کے پیش نظر پکتھال کا اسلامک پروپیگیشن سروسز، ایبک روڈ، لاہور سے شائع شدہ ترجمۂ قرآن رہا ہوگا۔ اس اشاعت کے بیرونی رنگین ٹائٹل پر ترجمۂ قرآن کا عنوان اور مترجم کا نام یوں لکھا ہوا ہے:

The Meaning of the Glorious Koran, An Explanatory Translation by Mohammed Marmaduke Pickthall

لیکن اس اشاعت کے دو اندرونی ٹائٹل صفحوں پر نہ صرف Quran درست

انگریزی ہجے کے ساتھ لکھا گیا ہے، بلکہ لفظ محمد کو بھی بیرونی ٹائٹل صفحہ کے برعکس دوسرے حرف U اور آخری سے پہلے a کے ساتھ Muhammad لکھا گیا ہے۔

عبداللہ یوسف علی کے والد گرامی سے متعلق رضوی صاحب یہ اطلاع دیتے ہیں:

''عبداللہ یوسف علی صاحب بمبئی کے ایک دین دار بوہرہ مسلم گھرانے میں ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد نہایت دین دار اور کام یاب تاجر تھے۔''[۳]

درج بالا بیان صاحبِ مقالہ کی نیک نیتی اور خوش گمانی کو تو ظاہر کر رہا ہے، لیکن تحقیق سے محروم ہے۔ عبداللہ یوسف علی کے والد کا پیشہ عام بوہروں کی طرح تجارت نہیں تھا، بلکہ وہ ایک ذمہ دار اور نمایاں پولیس آفیسر تھے۔ ان کے معتبر سوانح نگار ایم، اے، شریف کا بیان ملاحظہ ہو:

> Yusuf ali Allah buksh, an official in surat's police force. On retirement in 1885, Allahbuksh was given the title of Khan Bahadur, an award the Raj bestowed on Muslims for some act of public service or philanthropy(4)
>
> (یوسف علی اللہ بخش، سورت (شہر) کی پولیس کے ایک آفیسر تھے۔ اللہ بخش ۱۸۸۵ء میں ریٹائر ہوئے تو انہیں خان بہادر کا خطاب دیا گیا۔ یہ اعزاز برطانوی حکومت ان مسلمانوں کو دیا کرتی تھی جو عوامی بہبود یا انسانی فلاح کے کاموں سے وابستہ ہوتے تھے۔)

عبداللہ یوسف علی کے ترجمۂ قرآن کے مشمولات سے رضوی صاحب اپنے قارئین کو یوں آگاہ کرتے ہیں:

''ان کا یہ ترجمۂ قرآن مع تشریحی حواشی اور سورتوں کے تعارفی نوٹس کی شکل میں موجود ہے۔''[۵]

عبداللہ یوسف علی کے ترجمۂ قرآن کے تحقیقی جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قرآنی آیات کے ترجمے، تشریحی حواشی اور سورتوں کے تعارف کے علاوہ ہر

سورت کے ساتھ نظمِ آزاد(blank verse) کی صورت میں تفسیری نکات اور چودہ (۱۴) ضمیمہ جات(Appendices) بھی موجود ہیں۔ رضوی صاحب نے اپنے تعارف میں نظم آزاد کے تفسیری نکات اور مذکورہ بالا ضمیمہ جات کا ذکر نہیں کیا ہے۔ سورۃ الفاتحہ سے پہلے بحیثیت مجموعی قرآن کریم کے تعارف کے حوالے سے نظم آزاد کے اکتالیس(۴۱) بند دیے گئے ہیں۔ آخری بند کے الفاظ یوں ہیں:

These messages came as inspiration
To Muhammad as the need arose,
On different occasions and in different places:
He recited them, and they were recorded
By the pen:they were imprinted on his heart
And mind, and on the memory
Of his loving disciples:as the body
Of Sacred Scripture grew, it was arranged
For purposes of public prayer and reading:
This is the Book, or the Reading, or the Qur'an.(6)

انگریزی نظم آزاد کا اردو ترجمہ نظم آزاد کی صورت میں تو ممکن نہیں ہوگا ،لیکن اردو خواں قارئین کے لیے Blank Verse کے درج بالا بند کا رواں اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

''یہ ارشادات محمد ﷺ پر ضرورت کے مطابق، مختلف جگہوں اور مختلف مواقع پر وحی کی صورت میں نازل ہوئے۔ آپؐ نے ان کی تلاوت فرمائی تو ان ارشادات کو قلم کے ذریعے ضبط کر لیا گیا۔ وہ ارشادات آپؐ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کے سینوں، ذہنوں اور یادداشتوں میں محفوظ ہوگئے۔ جوں جوں وحی الٰہی کا حجم بڑھتا گیا، اسے باجماعت نمازوں اور تلاوت کے لیے (سورتوں اور آیات کی شکل میں) منظّم کیا گیا۔ یہ الکتاب، قراءت یا القرآن ہے۔''

عبداللہ یوسف علی کے چودہ ضمیمہ جات کے عناوین درج ذیل ہیں:

1.On the Abbreviated Letters.	۱۔ حروف مقطعات سے متعلق۔
2.On the Taurat.	۲۔ تورات کے بارے میں۔
3.On the Injil	۳۔انجیل کے بارے میں۔
4.Egyptian Chronology and Israel.	۴۔مصری تاریخ کے مراحل اور (بنی) اسرائیل۔
5.Egyptian Religion and its Steps towards Islam	۵۔مصری مذہب اور اسلام کی جانب اس کی پیش رفت
6.Allegorical Interpretation of the Story of Joseph.	۶۔قصۂ یوسف علیہ السلام کی مجازی تفسیر۔
7.Who was Zul-qarnain?	۷۔ ذوالقرنین کون تھا؟
8.Mystic Interpretation of the Verse of Light.	۸۔آیت نور کی صوفیانہ تفسیر۔
9.Thamud Inscriptions at al-Hijr	۹۔سورۃ الحجر میں قوم ثمود کے آثار ... پہاڑوں پر قوم ثمود کے کتبے۔
10.First contact of Islam with World Movements.	۱۰۔تحریکات عالم کا اسلام کے ساتھ پہلا سامنا۔
11.Comparative Chronology of the Early Years of Islam.	۱۱۔اسلام کے ابتدائی سالوں کا (معاصر تاریخ سے) تقابلی جائزہ
12.The Muslim Heaven	۱۲۔مسلمانوں کی جنت۔
13.Ancient Forms of Pagan Worship.	۱۳۔عبادات کفار کی قدیم صورتیں۔
14.Oaths and Adjurations in the Qur'an.	۱۴۔قرآن کریم میں مواعید اور اقسام۔

رضوی صاحب نے ایک اور نومسلم مترجم قرآن کے نام اور سابقہ مذہبی تعلق کو حاشیے میں اس طرح بیان کیا ہے:

''اس کمیٹی نے پہلے محمد لیو پولڈ اسد (عیسائی نژاد نومسلم) کے ترجمۂ قرآن کا انتخاب کیا تھا۔''[۷]

اس بیان میں دو باتیں محل نظر ہیں:

۱۔ مذکورہ مترجم قرآن اپنا نام 'محمد اسد' لکھا کرتے تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے ان کا خاندانی نام لیوپولڈ ویس (Leopold Weiss) تھا۔ لیو پولڈ کا لفظی معنیٰ اردو میں چیتا اور عربی میں 'اسد' ہے۔ اس لیے قبولِ اسلام کے بعد لیوپولڈ ویس نے اپنا اسلامی نام محمد اسد رکھا۔ رضوی صاحب نے محمد لیوپولڈ اسد لکھ کر گویا مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانے کی کوشش کی ہے، یا یہ دو غیر ہم جنس چیزوں کا آمیزہ بنانے کی کاوش معلوم ہوتی ہے۔

درج بالا بیان میں دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ رضوی صاحب نے محمد اسد کو عیسائی نژاد نو مسلم قرار دیا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اسد کا خاندانی مذہب یہودیت تھا۔ ان کے آبائی مذہب کے حوالے سے ایک محقق کا بیان ملاحظہ ہو:

> "Muhammad Asad.... was born Leopold Weiss in July 1900..... he was the descendant of a long line of rabbis".(8)
>
> (محمد اسد جولائی ۱۹۰۰ء میں لیوپولڈ ویس کی حیثیت سے پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق یہودی ربیوں کے ایک خاندان سے تھا۔ (جس کتاب سے یہ حوالہ لیا گیا ہے اس کے نام میں بھی اسد کو An Austrian Jewish Convert to Islam لکھا گیا ہے۔)

مضمون نگار حواشی میں شیخ الہند کا نام محمود الحسن لکھا ہے۔[۹] حالاں کہ آپ کا نام 'ال' کے بغیر محمود حسن ہے۔

البقرۃ:۱۳۶، ۱۴۰، النساء:۱۶۳ میں لفظ 'اسباط' پر بحث کرتے ہوئے عبداللہ یوسف علی کے ترجمۂ قرآن کے حوالے سے رضوی صاحب لکھتے ہیں:

> ''آیاتِ زیر گفتگو میں تینوں مقامات پر لفظ tribes میں وارد ہونے والے حرف T کو بالالتزام capital میں لکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں صرف قبیلہ کہنا مقصود نہیں ہے، بلکہ اس کا کوئی خاص مفہوم ذہن میں ہے، جو میں سمجھ نہیں سکا ہوں۔''[۱۰]

اگر بنی اسرائیل کی تاریخ پر نگاہ ہو اور عبداللہ یوسف علی کے لہجے سے ممارست ہو تو بہت آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ (small) چھوٹے 't' سے tribe یا tribes لکھا جائے تو اس سے مراد کوئی ایک قبیلہ یا کچھ قبائل ہوسکتے ہیں، لیکن جب (capital) بڑے 'T' کے ساتھ The Tribes لکھا جائے گا تو اس سے مراد بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے ہوں گے۔

آیت صِبۡغَةَ اللّٰهِ وَمَنۡ أَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً (البقرۃ:۱۳۸) میں دو مرتبہ 'صبغۃ' کا ترجمہ عبداللہ یوسف علی نے Baptism اور Baptise لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"(Our religion is) The Baptism of God :And who can baptise better than God?"

لیکن رضوی صاحب نے دوسری مرتبہ اسے Baptiser بنا دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۸ میں لفظ 'صبغۃ' دو دفعہ آیا ہے۔ اس کا ترجمہ Baptism اور Baptiser سے کیا ہے۔''[۱۱]

رضوی صاحب نے اپنے ممدوح کا نام بہ تکرار علامہ یوسف علی لکھا ہے۔[۱۲] جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مترجم قرآن کا نام عبداللہ تھا یوسف علی اللہ بخش ان کے والد کا نام تھا۔[۱۳]

سورۂ قیامہ کی آیت ۲۹ میں لفظ 'ساق' (پنڈلی) کا ترجمہ عبداللہ یوسف علی نے لفظ Leg سے کیا ہے، جسے صاحبِ مضمون نے اردو میں 'پاؤں' ترجمہ کر کے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ عبداللہ یوسف علی، شاہ عبدالقادر کے ترجمے 'اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی'[۱۴] سے متاثر تھے اور شیخ الہند نے شاہ عبدالقادر کے ترجمۂ قرآن کی تسہیل میں اس آیت 'وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقُ' (۲۹:۷۵) کا ترجمہ 'اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی' برقرار رکھا[۱۵] تو عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ:

"And one leg (will be placed) with another."

محولہ بالا کا ہی ترجمہ ہے۔ اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو متبادر ہوتا ہے

کہ رضوی صاحب کی تنقید کا سارا مدار انگریزی کے لفظ Leg کے خود ساختہ غلط ترجمے 'پاؤں' پر ہے۔ ۱۷

عبداللطیف اعظمی صاحب نے رضوی صاحب کے مقالہ میں جس کمی کی نشان دہی کر کے اسے پورا کرنے کی بات کی ہے وہ محمد مارماڈیوک پکتھال کی مختصر سوانح ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

> ''موصوف نے اگرچہ انگریزی کے دو مترجمین قرآن کا ذکر کیا ہے، مگر نہ جانے کیوں صرف علامہ یوسف علی مرحوم کی مختصر سوانح درج کی ہے، پکتھال مرحوم کی نہیں۔ اس کمی کو خاک سار پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔'' ۱۸

اس سلسلے میں ان کا مکمل انحصار اردو دائرہ معارف اسلامیہ پر ہے۔ جو شکایت اعظمی صاحب کو رضوی صاحب سے تھی وہی راقم کو اعظمی صاحب سے ہے کہ انھوں نے خود کوئی تحقیق نہیں فرمائی، بلکہ ایک ثانوی ماخذ پر مکمل انحصار کیا ہے۔

جناب عبداللطیف اعظمی نے اپنے ممدوح کا اصلی نام تو مارماڈیوک ولیم پکتھال لکھا، لیکن اسلامی نام محمد مارڈیوک قرار دیا اور پکتھال کی نسبت کو نظر انداز کر گئے۔ پہلے نومسلم مغربی مترجم قرآن نے اپنا نام کبھی پکتھال کے لاحقے کے بغیر نہیں لکھا، حتیٰ کہ جب وہ اپنے نام کا اختصار لکھتے تو M.P. لکھا کرتے تھے، جسے محمد پکتھال یا مارماڈیوک پکتھال پڑھا جا سکتا ہے۔ بعض مسلمان علماء نے ایم، ایم، پکتھال یعنی محمد مارماڈیوک پکتھال بھی لکھا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ پہلے انگریز نومسلم مترجم قرآن کریم نے اپنا نام کبھی پکتھال کی نسبت کے بغیر نہیں لکھا۔ لیکن اعظمی صاحب اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے تتبع میں اپنی دانست میں ان کا اسلامی نام محمد مارماڈیوک لکھ رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

> ''اصل نام: مارما ڈیوک ولیم پکتھال۔ اسلامی نام: محمد مارما ڈیوک۔ پیدائش: ۱۷، اپریل ۱۸۷۵ء بمقام لندن۔ وفات: ۱۸ مئی ۱۹۳۶ء بمقام کارن وال'' ۱۹

جناب اعظمی نے پکتھال کی تاریخ پیدائش ۱۷/اپریل ۱۸۷۵ء لکھی ہے۔ معتبر

اور محقق ذرائع کے مطابق ان کی تاریخ پیدائش ۷/اپریل ۱۸۷۵ء ہے۔ مارماڈیوک پکتھال کی پہلی سوانح نگار اینی فریمینٹل (Anne Fremantle) ان کی تاریخ پیدائش کا ذکر یوں کرتی ہیں:

"On 7 April, 1875, Marmaduke William was born in Cambridge Taerrace, w.2"(20)

(مارماڈیوک ولیم پکتھال ۷، اپریل ۱۸۷۵ء کو کیمبرج ٹیرس ڈبلیو۲ میں پیدا ہوئے)

پکتھال کے ایک جدید سوانح نگار نے ان کی تاریخ پیدائش کا ذکر یوں کیا ہے:

"Marmaduke William Pickthall was born in Cambridge Terrace, London, on 7 April 1875, the son of Mary O'Brien (1836-1904)and the Reverend Charles Grayson Pickthall (1822-1881)" (21)

(مارما ڈیوک ولیم پکتھال، کیمبرج ٹیرس، لندن میں میری او برائن (۱۸۳۶-۱۹۰۴ء) اور پادری چارلس گرے سن پکتھال (۱۸۲۲-۱۸۸۱ء) کے ہاں ۷/اپریل ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے)۔

جناب اعظمی نے اپنے ممدوح کی تاریخِ وفات بھی بغیر تحقیق کیے ایک ثانوی ماخذ پر انحصار کرتے ہوئے ۱۸/مئی ۱۹۳۶ء لکھ دی، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ۱۸/مئی کو مترجم قرآن کریم نے طبیعت کی خرابی کی کچھ شکایت تو ضرور کی، لیکن آپ کی زوجۂ محترمہ نے اسے بدہضمی کا شاخسانہ قرار دیا تو آپ نے اس سے اتفاق کیا، لیکن اگلے دن ۱۹/مئی ۱۹۳۶ء کو ناشتے کے بعد اخبارات کے مطالعے کے دوران دوبارہ طبیعت خراب ہوئی تو آپ جاں بر نہ ہو سکے۔ پکتھال کی سوانح نگار لکھتی ہیں:

"On May 18 he complained of pain after luncheon, but Muriel declared, and both agreed, it was only indigestion. Next morning at breakfast he seemed perfectly well, but whilst reading the newspapers

felt ill and went upstaires to lie down. Muriel fallowed him to their bedroom and as she entered the room he took two steps to meet her and fell dead in her arms of coronary thrombosis."(22)

(پکتھال نے ۱۸ر مئی کو دوپہر کے کھانے کے بعد سینے میں درد کی شکایت کی۔ آپ کی زوجہ میوریل نے کہا کہ بدہضمی معلوم ہوتی ہے۔ دونوں اس تشخیص پر متفق ہوگئے۔ اگلے دن ناشتے پر پکتھال بالکل ٹھیک دکھائی دیئے۔ لیکن اخبارات کے مطالعے کے دوران ہی آپ (دوبارہ) بیمار ہوگئے اور آرام کے لیے سیڑھیاں چڑھ کر خواب گاہ میں چلے گئے۔ ان کی زوجہ میوریل ان کے پیچھے خواب گاہ کے دروازے پر پہنچیں۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئیں پکتھال نے دو قدم ان کی طرف بڑھائے۔ میوریل نے آگے بڑھ کر سنبھالا، لیکن آپ نے دل کی شریانوں میں جمے ہوئے خون کی رکاوٹ (Coronary Thrombosis) کے سبب اپنی زوجہ کی بانہوں میں جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔)

پکتھال کے دوسرے قابل ذکر سوانح نگار پیٹر کلارک (Peter Clark) وفات کے واقعے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"One day in the middle of May he became unwell after lunch. The following morning after breakfast he rested, then got up and collapsed. He died at eleven o'clock on 19 May 1936 of coronary thrombosis."(23)

(ماہ مئی کے وسط میں ایک دن دوپہر کے کھانے کے بعد وہ (پکتھال) ماندہ ہوگئے۔ اگلے دن ناشتے کے بعد انھوں نے آرام کیا، پھر اُٹھنے کی کوشش کی، لیکن گر پڑے۔ ۱۹ر مئی ۱۹۶۳ء کو گیارہ بجے دن میں حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال کرگئے۔)

سہ ماہی علمی و تحقیقی مجلّے 'اسلامک کلچر' سے متعلق اعظمی صاحب لکھتے ہیں:

''۱۹۲۷ء میں ایک بورڈ کی سرپرستی میں، جس کے صدر سر اکبر حیدری اور سیکریٹری نواب یاور جنگ تھے، اسلامک کلچر کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ نکالا۔'' ۲۴

اگر سہ ماہی مجلّے اسلامک کلچر کے پہلے شمارے کو دیکھا جائے تو اس میں مدیر، مارماڈیوک پکتھال کے قلم سے بورڈ کے پہلے صدر اور سکریٹری کے نام یوں درج ہیں:

"The first president of the Board of Direction of "Islamic Culture" was that staunch friend of learning, veteran scholar and sound statesman, the late Nawab Imad-ul-Mulk Bahadur, whose son, Nawab Mahdi Yar Jung is now Secretary to the Board."(25)

('اسلامک کلچر' کی رہ نما جماعت کے پہلے صدر، عظیم علم دوست، علوم قدیمہ کے ماہر اور ایک سربرآوردہ مدبر اور دانش ور مرحوم نواب عماد الملک بہادر تھے۔ آپ کے صاحب زادے نواب مہدی یار جنگ اب اس جماعت کے سکریٹری ہیں۔)

پکتھال نے اسلامک کلچر بورڈ کے بانی ارکان کے ناموں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان میں بھی اعظمی صاحب کے ذکر کردہ نام نہیں ہیں۔ پکتھال لکھتے ہیں:

"... Nawab Sir Amin Jung, Nawab Hyder Nawaz Jung, Nawab Nizamat Jung, Nawab Sadr Yar Jung the present chairman of the Board, and Nawab Masood Jung are the men who planned and still control the policy of the Review."(26)

(... نواب سر امین جنگ، نواب حیدر نواز جنگ، نواب نظامت جنگ، اسلامک کلچر ایڈوائزری بورڈ کے موجودہ چیئرمین نواب صدر یار جنگ اور نواب مسعود جنگ وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے اس مجلّے کی منصوبہ بندی کی اور اب بھی مجلّے کی پالیسی کو کنٹرول کرتے ہیں۔)

جن دو علم دوست احباب کے نام اعظمی صاحب نے اسلامک کلچر کے صدر اور سکریٹری کے طور پر لکھے ہیں، مدیر پکتھال نے ان کا ذکر کسی حیثیت سے کہیں نہیں کیا۔

اعظمی صاحب نے شیخ مصطفیٰ المراغی کا ذکر ازہر یونی ورسٹی کے ریکٹر کے طور پر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''جب ... ترجمہ مکمل ہوگیا تو قاہرہ کے مشہور دانش ور احمد بے الغمر اوی اور ازہر یونی ورسٹی کے ریکٹر شیخ مصطفیٰ المراغی کے صلاح ومشورے سے اپنے ترجمے پر نظر ثانی کی۔'' ۲۷

جب کہ پکتھال نے ۱۹۲۹ء کے اپنے سفرنامۂ مصر میں شیخ المراغی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"... Two days after our arrival, I was driven out to Helwan... to visit the Shaykh Al-Maraghi. The Sheykh Al-Maraghi had retired when resigned, for conscience sake, the enormously rich post of Rector of Al-Azhar University."(28)

(ہماری آمد کے دو دن بعد مجھے شیخ المراغی سے ملاقات کے لیے حلوان لے جایا گیا۔ اس باضمیر مسلمان عالم شیخ المراغی نے اپنے ضمیر کی آواز پر شیخ الازہر کے منصب جلیل کو خیر باد کہہ کر اس شہر کے ایک گھر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ۱۹۲۹ء میں ترجمۂ قرآن کریم پر نظر ثانی کے حوالے سے پکتھال کی ملاقات شیخ مراغی سے ہوئی اس وقت وہ الازہر کے ریکٹر کے عہدے پر فائز نہیں تھے، بلکہ استعفیٰ دے کر ایک قصبے حلوان میں رہائش پذیر تھے۔ اس بنا پر شیخ مراغی کو ازہر یونی ورسٹی کا سابق ریکٹر لکھنا موزوں تھا۔

پکتھال کے ترجمۂ قرآن کریم سے متعلق اعظمی صاحب یہ اطلاع دیتے ہیں:

''یہ ترجمہ ۱۹۳۰ء میں 'گلوریس قرآن' کے نام سے شائع ہوا۔'' ۲۹

پکتھال کے ترجمۂ قرآن کو اگر ایک عامی 'گلوریس قرآن' کا نام دے تو قابل

معافی ہے، لیکن اگر ایک محقق اس کا یہ نام لکھے تو اس کی اصلاح لازم ہے۔

پکتھال نے اپنے ترجمۂ قرآن کو مکمل کر کے مصر کا دورہ کیا۔ احمد بے الغمراوی اور جامعۃ الازہر کے سابق ریکٹر شیخ مصطفیٰ المراغی کے مشورے سے اپنے مسودے پر نظر ثانی کی۔ اس دوران مصر کے اخبارات میں جب اس ترجمۂ قرآن کے خلاف ردِّعمل آیا تو پکتھال نے واضح طور پر اعلان کیا کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے۔ اس کی جلالت اور شان ایسی بلند ہے کہ انسان اس کا ترجمہ کر ہی نہیں سکتا، البتہ ہم اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ میں نے اس کا نام The Glorious Quran نہیں، بلکہ The Meaning of the Glorious Quran? رکھا ہے۔ پکتھال کی اس وضاحت کے بعد علمائے جامعۃ الازہر اور مصر کے دوسرے علماء نے انگریزی ترجمۂ قرآن کو طبع کرنے کی بخوشی اجازت دے دی۔ اس حوالے سے پکتھال خود لکھتے ہیں:

> "When Faud Bey praised my translation, and all the others called it meritorious, he was evidently much embarrassed, until Faud Bey remarked :He will not call it al-Qur'an, he will call it Ma'ani 'ul-Qur'anil-Majid(The Meaning of the Glorious Qur'an). Then the Rector of Al-Azhar smiled. 'If he does that', he said, 'then there can be no objection;we shall be pleased with it."(30)
>
> (جب فؤاد بے نے میرے ترجمۂ قرآن کی تعریف کی اور باقی سب لوگوں نے اسے مستحسن اور قابل ستائش قرار دیا تو ظاہر ہے، یہ ان کے لیے پریشان کن بات تھی، حتیٰ کہ فواد بے نے وضاحت کی کہ: مترجم اسے 'القرآن' نہیں کہیں گے، بلکہ وہ اسے 'معانی القرآن المجید' یعنی قرآن مجید کے معانی کا نام دیں گے۔ تب شیخ الازہر مسکرا دیے اور یوں گویا ہوئے: ''اگر مترجم نے ایسا ہی کیا ہے تب اعتراض کی کوئی بات نہیں، ہم سب اس سے خوش ہیں۔'')

اپنے ترجمۂ قرآن کریم سے متعلق پکتھال نے مزید وضاحت اس کے مقدمہ میں ان الفاظ میں کی ہے:

"The Qur'an cannot be translated that is the belief of old-fashioned Shaykhs and the view of the present writer. The Book is here rendered almost literally and every effort has been made to choose befitting language. But the result is not the Glorious Qur'an.... It is only an attempt to present the meaning of the Qur'an... in English. It can never take the place of the Qur'an in Arabic, nor is it meant to do so."(31)

(قرآن کا ترجمہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ علمائے قدیم اور راقم الحروف کا عقیدہ ہے۔ یہاں (اس ترجمے میں) کتاب اللہ کا قریباً لفظی ترجمہ کیا گیا اور موزوں ترین زبان کے انتخاب کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے، لیکن اس (محنت) کا نتیجہ قرآن کریم نہیں ہے... یہ تو صرف قرآن کے معانی کو انگریزی میں پیش کرنے کی ایک کوشش ہے۔ یہ ترجمہ کبھی قرآن کریم کے عربی الفاظ (متن) کی جگہ نہیں لے سکتا، نہ اس کا یہ مقصد ہے۔)

پکتھال کے دورۂ ترکی کے حوالے سے اعظمی صاحب لکھتے ہیں:

''۱۹۱۳ء میں ترکی کی سیاسی اور معاشرتی زندگی کے مطالعہ کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد اپنے مشاہدات کو مقالوں کی صورت میں لکھا، جو 'نیوایج' میں سلسلہ وار شائع ہوئے۔ اس وقت تک ان کے دل میں اسلام کی صداقت اور سچائی گھر کر چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اسی زمانے میں مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔''۳۲

پکتھال کے قبولِ اسلام کو اعظمی صاحب نے ۱۹۱۳ء کے دورۂ ترکی کے فوراً بعد

کا واقعہ قرار دیا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ پکتھال نے قبولِ اسلام کی خواہش کا دو مرتبہ اظہار کیا۔ شام کے مختلف حصوں کی سیر کے دوران ۱۸۹۴ء میں پکتھال دمشق پہنچے۔ انھوں نے جامعہ اُمیّہ کے شیخ العلماء سے عربی صرف، نحو اور ادب کی تعلیم حاصل کرنی شروع کردی۔ ایک دن تعلیم کے دوران ہی انھوں نے قبول اسلام کی خواہش کا اظہار کیا۔ جامعہ دمشق کے شیخ العلماء نے پکتھال کو قبولِ اسلام نے منع کرتے ہوئے فرمایا:

"No, my son, wait until you are older, and have seen again your native land. You are alone among us as our boys are alone among the Christians. God Knows how Ishould feel if any Christian teacher dealt with a son of mine otherwise than as Inow deal with you."(33)

(نہیں، میرے بیٹے۔ اپنی شخصیت کے پختہ ہو جانے اور اپنے ارض وطن کو دوبارہ دیکھ لینے تک انتظار کرو۔ تم ہمارے درمیان اکیلے ہو، جس طرح ہمارے لڑکے عیسائیوں کے درمیان تنہا ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ میرے احساسات اس وقت کیا ہوں گے جب کوئی عیسائی استاد میرے کسی بیٹے سے اس سے مختلف رویہ اختیار کرے گا جو میں آپ کے ساتھ کر رہا ہوں۔)

پھر قریب جلتی ہوئی ایک موم بتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ نے فرمایا:

"Observe this fire. There is a shapely flame, the light that shines around us, and when Iput my hand out, there is the heat as well. Iblow, and all is gone. How many things? You answer three in one, Ianswer one we both are right."(34)

(اس آگ کا مشاہدہ کرو۔ یہ ایک شعلہ ہے، ایک روشنی جو ہمارے گرد و نواح کو روشن کر رہی ہے۔ جب میں اپنا ہاتھ باہر نکال کر اس کے قریب لے جاتا ہوں تو حرارت بھی محسوس ہوتی ہے۔ میں پھونک

ماروں تو ہر چیز ختم ہو جائے۔ کتنی چیزیں؟ تمہارا جواب ایک میں تین، میرا جواب ایک۔ ہم دونوں درست ہیں)۔

جامعہ دمشق کے شیخ العلماء کے ساتھ اپنے مکالمے پر تبصرہ کرتے ہوئے پکتھال نے لکھا ہے:

"This suggestion put a strange impression on my heart. That was so because Iwrongly imagined that Muslims are always keen and restless to make other people join them in their religion. But this conversation with my teacher changed my mind and Icould not help being convinced that it is only a false propaganda against Muslims which labels them to be biased."(35)

(شیخ العلماء کی) اس تجویز نے میرے دل پر ایک عجیب اثر کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ مسلمان ہمیشہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کرنے کے لیے بڑی بے چینی اور شوق کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن اپنے استاد کے ساتھ اس گفتگو نے میرے ذہن کو تبدیل کر دیا۔ میرے پاس اس بات کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا کہ یہ مسلمانوں کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ ہے، جس کی بنا پر انھیں متعصب کہا جاتا ہے۔)

پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو یورپی طاقتوں نے چاروں طرف سے ترکی پر ہلّہ بول دیا۔ ترکوں اور مسلمانوں کے ساتھ پکتھال کی محبت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ہفت روزہ نیو ایج نے پکتھال سے اپنے نمائندے کے طور پر ترکی جانے کی درخواست کی۔ اس طرح پکتھال کی دلی مراد بر آئی اور وہ ۱۹۱۳ء میں نیو ایج کے نمائندے کی حیثیت سے ترکی جا پہنچے۔ اپنے قیام کے دوران وہ اپنے دوست، ترکی کے وزیر جنگ طلعت بیگ کے ساتھ اپنی ایک گفتگو کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"One day Isaid to Tal'at Beik!You always go about

and move here and there without even a personal guard. You should have guards to defend you against all sudden and unexpected attacks. Tal'atBeik, a famous Muslim Turkish leader, replied:'There is no better guardian than Almighty Allah. This experience strengthened my belief in Allah. I understood from Tal'at Beik that according to Islamic belief, death cannot anticipate or fall behind its fixed time. Hence this unusual courage seemed to me very strange in the beginning."(36)

(ایک دن میں نے طلعت بیگ سے کہا: آپ ہمیشہ ذاتی محافظوں کے بغیر باہر نکل کر مختلف علاقوں کا دورہ کرتے ہیں۔ آپ کے ساتھ محافظوں کا ہونا ضروری ہے، تاکہ کسی بھی اچانک یا غیر متوقع حملے سے وہ آپ کی حفاظت کرسکیں۔ ترکی کے معروف مسلم رہ نما نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی محافظ نہیں ہے۔'' اس تجربے نے اللہ پر میرے یقین کو پختہ کردیا۔ میں نے طلعت بیگ سے یہ سیکھا کہ اسلامی عقیدے کے مطابق موت مقررہ وقت سے پہلے یا بعد میں نہیں آسکتی۔ اس طرح یہ غیر معمولی حوصلہ شروع میں مجھے بہت عجیب معلوم ہوا۔)

پکتھال اپنے دوست طلعت بیگ کے حوصلے اور اللہ تعالیٰ پر غیر مشروط ایمان سے بہت متاثر ہوئے اور قبول اسلام کی خواہش کا اظہار کیا۔ طلعت بیگ نے جواب دیا کہ اگر آپ قبولِ اسلام کا اعلان کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بہتر جگہ لندن ہے۔ ترکی کی سرزمین پر یہ اعلان موزوں نہیں ہوگا۔

مسلم لٹریری سوسائٹی کی ایک تقریب میں، جو ۲۹ر نومبر ۱۹۱۷ء کو منعقد ہوئی تھی، پکتھال نے شرکاء کے سامنے اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا۔ 'اسلام اور ماڈرنزم' کے موضوع پر تقریر کے دوران انھوں نے درج ذیل الفاظ ادا کیے:

"It would be blessing to the world if Islam should once

more take the lead in human progress. I am not saying this to flatter you, nor to applaud myself in a belief which I have accepted after years of thought and study."(37)

(اگر اسلام ایک مرتبہ پھر انسانی ترقی میں قائدانہ کردار سنبھال لے تو یہ دنیا کے لیے ایک نعمت ہوگی۔ یہ میں آپ کی خوشامد کرنے کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں، نہ جس عقیدے کو میں نے سالوں کے غور وفکر اور مطالعے کے بعد قبول کیا ہے، خود کو اس کی داد دینے کے لیے کہہ رہا ہوں۔)

ماہ نامہ 'اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا' نے قبول اسلام کے اس اعلان کے بعد تقریب میں موجود حاضرین کے ردِّعمل اور اپنے ایک نومسلم بھائی کے لیے جوش وخروش سے بھی اپنے قارئین کو آگاہ کیا ہے:

"The audience present in the lecture hall gave an ovation to Mr. Pickthall for his having declared openly a few days before his acceptance of the Faith of Islam."(38)

(لیکچر ہال میں موجود حاضرین نے پکتھال کے چند دن پہلے اپنے قبول اسلام کے کھلے عام اعلان کا بے ساختہ اور پُرجوش انداز میں استقبال کیا)۔

درج بالا اقتباسات اور معتبر حوالوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ پکتھال کا قبول اسلام ۲۹ر نومبر ۱۹۱۷ء سے چند روز پہلے کا واقعہ ہے، لیکن اس کا باقاعدہ اعلان اسی تاریخ کو ہوا۔[۳۹] وہ ذاتی مطالعے کے لیے نہیں، بلکہ ہفت روزہ نیو ایج (New Age Weekly) کے نمائندے کی حیثیت سے ۱۹۱۳ء میں ترکی پہنچے تھے۔ اعظمی صاحب کے بقول 'وہاں سے واپس آنے کے بعد' نہیں، بلکہ اسی دوران ایک اخباری نمائندے کے طور پر جنگ کے حوالے سے وہ اپنی رپورٹس ہفت روزہ نیو ایج کو A Pilgrimage to Turkey During War Time کے زیرِ عنوان بھیجا کرتے۔ انھوں نے ۱۱ر ستمبر ۱۹۱۳ء سے ۱۵ جنوری ۱۹۱۴ء تک کی کل پندرہ رپورٹس کو یکجا کرکے With the Turk in War Time کے عنوان سے مارچ ۱۹۱۴ء میں لندن سے کتابی صورت میں شائع کیا۔[۴۰]

اعظمی صاحب نے سورہ البقرۃ کی آیت ۱۳۸ صِبۡغَةَ اللّٰهِ وَمَنۡ أَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً کا ترجمہ عبداللہ یوسف علی کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے:

(Our religion is)the Baptism of God:And who can baptize[baptise]better[than God?.(41)

اس ترجمے کو نقل کرتے ہوئے ان کی نظر دو جگہ چوک گئی، یا قلم پھسل گیا۔ baptise (42) کے ہجے عبداللہ یوسف علی کے ہاں آخری سے پہلے "S" کے ساتھ لکھے ہیں، لیکن اعظمی کے قلم کی روانی نے اسے آخری سے پہلے "Z" کے ساتھ لکھا ہے۔ اگرچہ اس سے معنیٰ میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، لیکن اس سے اصول تحقیق سے پہلو تہی یقیناً ہوتی ہے۔ اعظمی صاحب کے نقل کردہ انگریزی ترجمے کے آخری تین الفاظ یوں ہیں: "baptize than God?"(43) بظاہر اس ترجمے کے پھیکا اور بے معنیٰ ہونے کا الزام علامہ عبداللہ یوسف علی کے سر جاتا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اعظمی صاحب کا قلم پھسل گیا اور than God سے پہلے better کا لفظ لکھنے سے رہ گیا۔

حواشی و مراجع

۱۔ اعظمی، عبداللطیف، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، عبداللہ یوسف علی کا ترجمۂ قرآن، چند اصلاح طلب مقامات کا ایک تنقیدی جائزہ، ج۱۲، ش۴، اکتوبر۔دسمبر۱۹۹۳ء)، ص۹۶

۲۔ ایضاً، ص۹۷

۳۔ رضوی، سید امین الحسن، حوالۂ سابق، ص۵۷

4- Sherif, M.A., Searching for Solace, Islamic Research Institute, Islamabad, 2000, p.4

۵۔رضوی، سید امین الحسن، عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہء قرآن (چند اصلاح طلب مقامات) سہ ماہی تحقیقات اسلامی، ص۵۸

6۔ Yusuf 'Ali, Abdullah, The Holy Qur'an, Text, Translation & Commentary,Shaikh Muhammad Ashraf, Lahore, 1938, p.12

۷۔ رضوی، سید امین الحسن، حوالۂ سابق، ص۵۸

8- Muhammad Sultan Shah, Dr., The Message of the Qur'a by

Muhammad Asad:A Critical Study, in Muhammad Asad An Austrian Jewish Convert to Islam by M. Ikram Chaghatai,Pakistan Writer's Co-operative Society, Lahore, 2015, p.217

۹۔ رضوی، سید امین الحسن، حوالۂ سابق، ص ۶۶ ۱۰۔ حوالۂ سابق، ص ۶۰

۱۱۔ حوالۂ سابق ۱۲۔ حوالۂ سابق، ص ۶۳، ۶۰

13- Sherif, M.A., Searching for Solace, p.4

۱۴۔ شاہ عبدالقادر، ترجمہ و تفسیر موضح القرآن، تاج کمپنی، س۔ن، ص ۹۶۷

۱۵۔ تفسیر عثمانی، ترجمہ مولانا محمود حسن، تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی، معہد ام القریٰ، جامعہ اشرفیہ، فیروز پور روڈ، لاہور، س۔ن، ص ۵۳۷

16- Yusuf 'Ali, Abdullah, The Holy Qur'an, Text, Translation & Commentary, p.12

۱۷۔ رضوی، سید امین الحسن، حوالۂ سابق، ص ۲۷

۱۸۔ عبداللطیف اعظمی، حوالۂ سابق، ص ۹۷ ۱۹۔ حوالۂ سابق، ص ۹۷

20- Anne Fremantle, Loyal Enemy, Hutchinson and Co. Ltd., London, 1938, p.12

21- Peter Clark, Marmaduke Pickthall:British Muslim, Quartet Books, London, 1986, p.7

22- Anne Fremantle, Loyal Enemy, p.439

23- Peter Clark, Marmaduke Pickthall:British Muslim, p.68

۲۴۔ عبداللطیف اعظمی، حوالۂ سابق، ص ۹۸

25- Islamic Culture, The Hyderabad Quarterly Review, Introductory Remarks,vol.1, No. 1, January, 1927,p.i

26۔ Ibid, p.i

۲۷۔ اعظمی، عبداللطیف، حوالۂ سابق، ص ۹۸

28- Pickthall, Marmaduke, Arabs and Non Arabs, and the Question of Translating the Qur'an, Islamic Culture, The Hyderabad Quarterly Review, vol.5, No.3, July 1931, p.424

۲۹۔ اعظمی، عبداللطیف، حوالۂ سابق، ص ۹۸

30- Pickthall, Marmaduke, Arabs and Non Arabs, and the Question of Translating the Qur'an, Islamic Culture, p.432

31- Pickthall, Muhammad Marmaduke, The Meaning of the Glorious Qur'an, Text and Explanatory Translation, Islamic Research Institute, Islamabad, 1988, p.xix

۳۲۔ اعظمی، عبداللطیف، حوالۂ سابق، ص ۹۸۔۹۹

33- Pickthall, The Black Crusade V, The New Age Weekly, London, vol. XII, No. 5, December, 51912, p.103

34- Anne Fremantle, Loyal Enemy, p.81

35- M. Haneef Shahid, Writings of M. M. W. Pickthall, Sh. M. Ashraf, Lahore, Pakistan, n.d.p.5

36- Ibid, pp.5-6

37- Pickthall, Islam and Modernism, Islamic Review & Muslim India, January 1918, p.8

38- Ibid, Notes (Editorial), p.3

39- Ibid, p.8

40- Peter Clark, Marmaduke Pickthall:British Muslim, p.140

۴۱۔اعظمی، عبداللطیف، حوالۂ سابق، ص۱۰۲

42- Abdullah Yusf Ali, The Holy Qur'an, Text Translation & Commentary, p.56

۴۳۔اعظمی، عبداللطیف، حوالۂ سابق، ص۱۰۲

قرآن اور اہلِ کتاب

☆حکایت☆عبرت☆نصیحت

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات، ان کی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کی تفصیلات اور ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں اور تنبیہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اہلِ کتاب کے اس مفصل تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت و نصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟اور اس سے انہیں کیا رہ نمائی ملتی ہے؟اس کتاب میں ان موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔صفحات:۳۰۴ || قیمت=/۱۶۰روپئے

رپورٹ سمینار

قرآن اور سائنس: قُرب وبُعد کے پہلو اور باہم تعاون کی راہیں

مولانا محمد صادر ندوی

موجودہ دنیا اور خاص طور پر امت مسلمہ جن مسائل کا سامنا کر رہی ہے، ان کے حل کے لیے ایک طرف انفرادی طور پر عملی اقدامات کی ضرورت ہے، تو دوسری طرف اجتماعی غور وفکر سے پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنا بھی ضروری ہے۔ ادارۂ تحقیق جدید ابھرتے موضوعات پر اہل علم کو جمع کر کے مذاکرات کے ذریعہ حل تلاش کرتا ہے۔ قرآن اور سائنس کے موضوع پر عالم اسلام اور مغربی ممالک میں ریسرچ وتحقیق عام ہے، لیکن برصغیر اس میدان میں ابھی تک پیچھے ہے۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے ادارے کی جانب سے 'قرآن اور سائنس: قرب وبُعد کے پہلو اور باہم تعاون باہم کی راہیں' کے عنوان سے ایک بین الاقوامی سمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ سمینار ۲۹۔۳۰ رمئی ۲۰۲۲ کو منعقد ہوا۔

افتتاحی اجلاس

اس کی صدارت جناب سید سعادت اللہ حسینی امیر جماعت اسلامی ہند نے کی۔ قاری محفوظ الرحمٰن ندوی کی تلاوت سے اجلاس کا آغاز ہوا۔ کنوینر سیمینار جناب انجینئر نسیم احمد خاں نے استقبالیہ پیش کیا۔ اس کے بعد مولانا سید جلال الدین عمری صدرِ ادارہ نے افتتاحی کلمات ارشاد فرمائے۔ انھوں نے ادارہ کی علمی سرگرمیوں کا تعارف کرانے کے ساتھ موضوع پر پُر مغز گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا کہ موجودہ سائنس کی اہمیت مسلّم ہے، اس کی کوششوں کے ثمرات بھی ہمارے سامنے ہیں۔ درحقیقت یہ ساری کوششیں اور کامیابیاں مسلم سائنس دانوں کی کوششوں کا تسلسل ہیں۔

مہمانِ خصوصی جناب ایس امین الحسن (نائب امیر جماعت اسلامی ہند) نے اپنے خطاب میں کہا کہ قرآن ہمیں سائنسی نقطۂ نظر کا حامل بناتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ قرآن اور سائنس میں ٹکراؤ ممکن نہیں ہے، البتہ سائنس اور مذہب میں ٹکراؤ ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ مذہب انسانی تعبیر ہے، عقائد کے نام پر بہت سی چیزیں اس میں شامل کر دی جاتی ہیں، جب کہ قرآن خالص اللہ کا کلام ہے اور وہ بے آمیز ہے۔

کلیدی خطبہ پروفیسر سید مسعود احمد نے پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ قرآن مجید اور جدید سائنس پروردگار عالم کی دو ایسی عظیم نعمتیں ہیں جن کے بے شمار اثرات عالمِ کون ومکاں پر پڑے ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن اور سائنس کے درمیان قرب وبعد کے پہلوؤں اور تعاون باہم کی راہوں پر سیر حاصل بحث کی جائے، تاکہ عوام وخواص افراط وتفریط سے بچتے ہوئے معتدل شاہ راہ پر گام زن ہوسکیں۔ سائنس اور قرآن کے درمیان بنیادی فرق واضح کرتے ہوئے موصوف نے بتایا کہ قرآن اپنی تصدیق کا مطالبہ کرتا ہے، جب کہ سائنس تشکیک کی طرف لے جاتی ہے۔ اس سلسلے میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے انجینئر سید سعادت اللہ حسینی نے کہا کہ تاریخ سائنس کے معتبر ماہرین کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ جدید سائنس اپنی ارتقا کے لیے قرآن کی مرہونِ منت ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات نے تحقیق واکتشاف کی نئی روایت کو پروان چڑھایا ہے، جس کے نتیجہ میں عرب سائنس (اسلامک گولڈن ایج) ظہور پذیر ہوئی۔ انھوں نے امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے مزید فرمایا کہ جس طرح دو ٹھوس عقلی دلائل میں تضاد نہیں ہوتا، اسی طرح منقول (شریعت) اور صریح معقول میں لازماً موافقت ہوگی۔

اخیر میں سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے کلماتِ تشکر پیش کیے۔ انھوں نے تمام کارکنان، مقالہ نگاران اور سامعین کے ساتھ جماعت اسلامی ہند کی مرکزی قیادت کا شکریہ ادا کیا۔

افتتاحی اجلاس کے علاوہ کل پانچ (۵) پانچ اجلاس ہوئے۔ ان میں تیس (۳۰) مقالہ نگاروں نے اردو اور انگریزی میں اپنے مقالات پیش کیے۔ پانچوں اجلاسوں کے مقالہ نگاران اور ان کے عناوین درج ذیل ہیں:

پہلا اجلاس: اس کے صدر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی (نائب صدر ادارہ) تھے، جب کہ نظامت کی ذمہ داری پروفیسر محمد ادریس نے انجام دی۔ اس میں چار مقالات پیش کیے گئے: 'ماڈرن، مغربی اور نیچرل سائنس کی حیثیت اور اس کا استعمال قرآنی تعلیمات کی روشنی میں' (پروفیسر کنور محمد یوسف امین) 'جدید سائنس پر قرآنی ہدایات کا اطلاق اور متبادل نظریات کی ترقی' (پروفیسر جاوید جمیل)، 'قرآن اور نظریۂ کائنات' (پروفیسر ظفر احسن)، 'وما أرسلنک الا رحمۃ للعالمین، سائنس کی روشنی میں' (ڈاکٹر ایس۔اے۔ایس۔نقوی)۔

دوسرا اجلاس :اس کی صدارت مولانا محمد طاہر مدنی ناظم جامعۃ الفلاح

اعظم گڑھ نے کی اور ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی نے نظامت کی۔ اس میں سات مقالہ نگاران نے اپنے مقالات پیش کیے: پروفیسر علی محمد (قرآنی کاسمولوجی کا فلسفیانہ نظریہ)، پروفیسر حمید نسیم رفیع آبادی (اسلام اور کاسمولوجی)، جناب شہباز رشید (قرآن اور سائنس کے درمیان مطابقت ہے)، انجینئر ہارون صفدر (قرآن اور ایڈوانس ٹیکنالوجی)، ڈاکٹر سجاد راشد (قرآن اور سائنس)، ڈاکٹر ندیم اشرف (ماحولیات کا تحفظ قرآن کریم کی روشنی میں)، ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی (کائنات کا آغاز اور ارتقا)۔

تیسرا اجلاس: اس اجلاس کی صدارت پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی اور نظامت ڈاکٹر عرفات ظفر نے کی۔ اس میں پانچ مقالات پیش کیے گئے: 'قرآن اور آثار قدیمہ' (جناب ایس، امین الحسن)، Quranic Doctrines for Conservation of Bio Diversity and Enviroment Safety (پروفیسر حافظ محمد یحییٰ شائق، امریکہ، سابق ڈین فیکلٹی آف لائف سائنس اے، ایم یو، علی گڑھ) Quran and Science Methodology to Question (ڈاکٹر جاسر عودہ، کناڈا)، 'کائنات میں اللہ کی نشانیاں' (ڈاکٹر اشاعت انصاری)، 'برجوں والا آسمان' (پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی)۔

چوتھا اجلاس: دوسرے دن (۳۰ رمئی ۲۰۲۲ء) صبح چوتھے اجلاس کی کاروائی شروع ہوئی۔ اس کی صدارت ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نائب صدرِ ادارہ اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر محی الدین غازی، سکریٹری تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند نے انجام دیے۔ اس میں چھ مقالات پیش کیے گئے: 'قرآن اور سائنس کی روشنی میں کچھ اہم اور بنیادی حقائق' (پروفیسر وسیم احمد)، 'ارتقا کا قرآنی تصور' (ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی)، 'نظریۂ ارتقا اور قرآن' (پروفیسر افضال احمد)، 'قرآن وحدیث کی روشنی میں نباتات اور پیڑ پودوں کی اہمیت' (ڈاکٹر فائزہ عباسی)، 'قرآن اور ماحولیات' (پروفیسر فیض احمد)، 'زمین پر زندگی کا آغاز واختتام' (ڈاکٹر جمشید اختر)۔

پانچواں اجلاس: اس کی صدارت ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی نے فرمائی اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر شارق عقیل نے انجام دیے۔ اس میں پانچ مقالات پیش کیے گئے: 'قرآن اور سائنس کے مابین درست تعامل' (ڈاکٹر محمد رضوان)، 'ماڈرن سائنس کی روشنی میں قرآن کی تفہیم' (پروفیسر طارق جمیل)، 'قرآن کی روشنی میں اسلامی اور الحادی سائنس کا فرق' (انجینئر سلیم خاں)، 'ربّ المشرقین وربّ المغربین' (پروفیسر عبد القیوم)،

'قرآن اور کائنات' (پروفیسر طارق منیر)۔

اس سمینار میں امریکہ، افریقہ، انگلینڈ اور ملیشیا کے علاوہ ملک کے مختلف گوشوں سے نام ور مسلم اسکالرس نے شرکت۔ ہر اجلاس کے بعد سوال و جواب اور صدارتی گفتگو کا اہتمام ہوا۔ اخیر میں تأثراتی اجلاس بھی ہوا، جس میں شرکاء نے اپنے تأثرات کا اظہار کیا۔ انھوں نے ادارہ کے اس اقدام کو قابل مبارک باد قرار دیا اور آئندہ بھی اہم موضوعات پر سمینار کے انعقاد کی خواہش ظاہر کی۔

سمینار میں اتفاق رائے سے درج ذیل قرار دادیں منظور ہوئیں:

۱۔ سائنس کے سلسلے میں افراط وتفریط کے رویّے سے احتراز کرتے ہوئے معتدل نقطۂ نظر کے ساتھ قرآن اور سائنس کے درمیان مثبت تعامل کی راہیں تلاش کی جائیں۔

۲۔ ردِّعمل کی سائنس کے بالمقابل ایجابی سائنس کی تشکیل عمل میں آئے، جس میں مغربی سائنس کے مفید اجزا سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن سے مأخوذ اقدار کی کارفرمائی ہو۔

۳۔ قرآن کا مطالعہ اس طرح کیا جائے کہ اس سے سائنسی پیش رفت کے لیے طاقت ور تحریک ملے، اقدار کا حصول ہو اور کائنات وعلم کائنات کے سلسلے میں ذمہ داری کا احساس فروغ پائے۔

۴۔ قرآن مجید کے ماہرین اور سائنس کے ماہرین کے درمیان باہم استفادے اور تعامل کو ضروری سمجھتے ہوئے اس کی عملی صورتیں پیدا کی جائیں۔

۵۔ قرآن کے سائنسی اعجاز اور تفسیر سے متعلق لٹریچر میں شامل غیر سائنٹفک اجزا کو علٰیحدہ کرکے قرآن کے سائنسی اعجاز کا ایسا ڈسکورس تشکیل دیا جائے جس سے قرآن کی واقعی خدمت اور انسانیت کی درست رہ نمائی ہو سکے۔

۶۔ اسلام رخی سائنس کے، نہ صرف فلسفے کی سطح پر بلکہ میتھڈولوجی کی سطح پر بھی فروغ وارتقا کے لیے سنجیدہ اور منظّم کوششیں کی جائیں۔ قرآنی اقدار پر مبنی سائنس اور سائنسی رویّے کو تعلیم گاہوں میں فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔

سمینار کی پوری ریکارڈنگ اور تمام مقالات رخطبات ادارہ کے یوٹیوب چینل ITTI ALIGARH پر اپ لوڈ کر دیے گئے ہیں۔ مجموعۂ مقالات کی ترتیب وتہذیب کا کام جاری ہے۔ ان شاء اللہ جلد شائقین کے لیے کتابی صورت میں دست یاب ہوگا۔

تعارف وتبصرہ

اوراقِ سیرت (جدید ایڈیشن) مولانا سید جلال الدین عمری

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۲۲، صفحات: ۳۸۴، قیمت: ۴۰۰ روپے۔

محبِّ گرامی محترم مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب 'اوراقِ سیرت' کے پہلے ایڈیشن پر اس کے مشتملات کے بعض پہلوؤں اور ابواب کی ترتیب سے متعلق کچھ باتیں راقمِ سطور نے عرض کی تھیں۔ اُس وقت یہ گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ لائقِ توجہ سمجھی جائیں گی اور انہیں طبعِ ثانی میں ملحوظ رکھا جائے گا۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جدید ایڈیشن میں مصنّف محترم نے ان لوگوں کا نام بہ نام ذکر کیا ہے جنہوں نے طبعِ اول پر اپنے تفصیلی مطالعات پیش کیے تھے، ان میں راقم کا بھی نام شامل ہے۔ کوئی شخصیت اپنی کسی کتاب کے بارے میں کسی خورد کے مشورے یا تجاویز قبول کرلے اور کتاب کے نئے ایڈیشن میں انہیں ملحوظ رکھے تو بلا شبہ یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے۔

'اوراقِ سیرت' کا پہلا ایڈیشن (۲۰۱۵ء) جن حضرات کی نظر سے گذرا ہے انہیں بخوبی اندازہ ہوگا کہ سیرتِ نبوی پر یہ روایتی انداز کی تالیف نہیں ہے، بلکہ بعض پہلوؤں سے اس کی انفرادیت وخصوصیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ مصنّف محترم نے اس کے مباحث کو تین بڑے حصوں (آب وتابِ سیرت، دعوتِ اسلام، محمد عربی ﷺ کے دنیائے علم پر عظیم احسانات) میں تقسیم کیا ہے۔ اِن سادہ سے عناوین کے تحت سیرتِ نبوی ﷺ کے جن نقوش کو اجاگر کیا گیا ہے وہ زبان، اسلوبِ بیان اور اندازِ بحث کے اعتبار سے تابندہ ہیں ہی، عصرِ حاضر میں ملّتِ اسلامیہ کو درپیش مختلف قسم کے مسائل کے حل کے لیے قرآن وسنت کی روشن کردہ راہیں بھی دکھا رہے ہیں۔ طبعِ جدید پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف محترم نے مواد، زبان و بیان، ابواب کی ترتیب اور مشتملات کی اندرونی ترتیب، مختلف پہلوؤں سے طبعِ اول پر نظرِ ثانی کا کام بطریقِ احسن انجام دیا ہے۔ اس کی وجہ سے نئے ایڈیشن میں جو تبدیلی نظر آتی ہے وہ افادیت ومعنویت سے بھرپور ہے۔

'اوراقِ سیرت' کا ایک امتیازی پہلو (جو طبعِ جدید سے مزید اجاگر ہوتا ہے) اس کا دعوتی انداز ہے۔ اگرچہ کتاب کا ایک حصہ عہدِ نبوی میں دعوتِ اسلام کے مختلف مراحل اور اس کی حکمتِ عملی پر مفصل بحث سے تعلق رکھتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر باب کے

مشتملات اپنے اپنے موضوعِ بحث کے دائرے میں قارئین کو دعوتِ فکر وعمل دے رہے ہیں اور انہیں یہ سبق سکھا رہے ہیں کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں انہیں سیرتِ نبوی کی روشنی میں کس طرح کے کردار اور اوصاف سے مزیّن ہونا چاہیے کہ ان کی روزمرہ زندگی اسلام کی مجسم دعوت بن جائے۔ کتاب کے ایک باب کا عنوان ہے: 'سیرت۔دلیلِ رسالت'۔ اس میں آپؐ کے اوصافِ حمیدہ، اخلاقِ عالیہ اور محسنِ انسانیت کی حیثیت سے آپؐ کے مثالی کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ معروف ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی بنیادی حیثیت داعی الی اللہ کی تھی اور آپؐ کا سب سے اہم فریضہ اللہ کی ہدایات کو اس کے بندوں تک پہنچانا تھا۔ اس باب کے مباحث سے یہ رہ نمائی ملتی ہے کہ داعی الی اللہ کو کن خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے؟ اللہ رب العزت سے تعلق کی مضبوطی کے ساتھ اس کے بندوں سے ربط وتعلق استوار کرنے کے لیے دین کی دعوت دینے والے روزمرّہ زندگی میں اپنے اخلاق وکردار کا عملی نمونہ کس طور پر پیش کریں کہ ان کے لیے دعوت کا کام آسان اور مؤثر بن جائے؟ اس کے علاوہ کتاب کے دوسرے ابواب (بالخصوص 'رسولِ اکرم ﷺ کے احکامِ تبلیغ'، رسولِ اکرم ﷺ کے دعوتی مکاتیب') سے بھی دعوت کے خادمین کے لیے بہترین اصولی ہدایات اور اس راہ کے عملی تجربات فراہم ہوتے ہیں۔

کتاب کے ایک حصے (محمد عربی ﷺ کے دنیائے علم پر عظیم احسانات) میں معلّمِ انسانیت ﷺ کے علمی احسانات سے بحث کی گئی ہے۔ اس میں علم کی فضیلت، علمِ دین کی اہمیت، اکتساب واشاعتِ علم کے بنیادی ذرائع، اہلِ علم کا مقام ومرتبہ اور ان کے امتیازی اوصاف پر قرآن وحدیث اور سیرتِ پاک کے حوالے سے بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر اس باب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ اس کے مشتملات سے دعوتِ دین کی نسبت سے بھی بڑے قیمتی نکات سامنے آتے ہیں۔ اس کے ایک باب کی سرخی (علم وحکمت کا کوئی بدل نہیں) بڑی معنویت رکھتی ہے۔ کون سا ایسا کام ہے جسے خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لیے یہ دونوں چیزیں ضروری نہ ہوں۔ دعوتِ دین کے کام میں تو قدم قدم پر ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ دعوت کا کام قرآن وحدیث کے گہرے علم، شریعت سے بخوبی واقفیت، دین کی صحیح سمجھ، دینِ حق کے پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کے لیے مناسب حکمتِ عملی یا حسن تدبیر اختیار کیے

بغیر بہتر طریقے سے انجام نہیں پاسکتا۔مصنّف گرامی نے واضح کیا ہے کہ اللہ رب العزت یہ صلاحیتیں اپنے پیغمبروں کو خصوصی طور پر نوازتا ہے اور ان کے وارثین (یعنی سنجیدگی اور اخلاص سے دعوت کا فریضہ انجام دینے والوں) کو بھی اس کا ایک حصہ من جانب اللہ عطا ہوتا ہے۔(اوراقِ سیرت،ص۲۳۱۔۲۳۲)

دعوت کی راہ آزمائشوں اور خطرات سے پُر ہوتی ہے۔رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے صبر و استقامت کے ساتھ جو حکمتِ عملی اختیار کی ، کتاب میں اس کی تفصیل ہے۔شدید مخالفت کے ماحول میں کس طرح بہت سے مخالفین کے رخ ان کی حمایت کی طرف مُڑ گئے اور کیسے انہیں بعض غیر مسلم افراد اور غیر مسلم قبائل کا تعاون حاصل ہوا؟ یہ بہت اہم بحث ہے۔اس سلسلے میں کتاب کا باب' اسلام کی پیش قدمی اور مخالف صفوں سے حمایت' بڑی اہمیت رکھتا ہے۔مصنّف محترم نے اس باب کے تحت متعلقہ واقعات کا احاطہ کیا ہے اور بنو ہاشم کے مقاطعہ اور اس کے خاتمہ کے واقعات نہایت تفصیل سے بیان کیے ہیں۔مزید اہم بات یہ ہے کہ ان سب واقعات سے مولانا نے جو نتائج اخذ کیے ہیں،ان میں عبرت ونصیحت کا بہت کچھ سامان پایا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ 'اوراقِ سیرت' کا جدید ایڈیشن سیرتی ادبیات میں ایک بیش بہا اضافہ ہے اور منتخب موضوعات پر سیرت کے واقعات کا ایک خوش نما و دل کش مرقّع ہے۔اس کے علاوہ عام فہم زبان،آسان اسلوب،دل نشیں اندازِ بحث ، واقعات کا تجزیہ اور ان سے اخذِ نتائج اور عصرِ حاضر میں ملت اسلامیہ کو درپیش مختلف النوع مسائل کے حل میں سیرت نبوی کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت و اہمیت کی پُرزور ترجمانی نے اس کتاب کی قدر و قیمت کو اور بڑھا دیا ہے۔

کتاب میں مؤاخات مکہ،ہجرت حبشہ اور اصحابِ صفہ جیسے عنوانات پر نئی معلومات پیش کی گئی ہیں اور نتائج اخذ کیے گئے ہیں، جو بہت قابلِ غور ہیں۔ بہر حال گوناگوں خصوصیات کی حامل یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا مطالعہ ہو اور اس سے استفادہ کیا جائے۔

(ظفر الاسلام اصلاحی)

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی (۸۴)

☆ صدرِ ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری کے حسبِ ذیل کتابچے نظر ثانی کے بعد شائع ہوئے ہیں: ۱۔ انفاق فی سبیل اللہ (طبع نہم) قیمت-/۶۰ روپے، ۲۔ حضرت محمد ﷺ۔ آخری رسول، آخری رہ نما (طبع سوم) قیمت-/۴۰ روپے، ۳۔ قرآن مجید کا تصورِ تزکیہ (طبع سوم) قیمت-/۶۰ روپے، ۴۔ مسلم پرسنل لا کے بعض مسائل، قیمت-/۴۰ روپے۔

☆ ۲۹۔۳۰/مئی کو ادارہ میں دوروزہ بین الاقوامی سیمینار 'قرآن اور سائنس: قرب وبعد کے پہلو اور تعاون باہم کی راہیں' کے مرکزی موضوع پر منعقد ہوا۔ اس میں ملک وبیرون ملک کے نام ور اصحاب علم وفضل شریک ہوئے۔ سیمینار کی مفصل روداد اسی شمارہ میں الگ سے شامل ہے۔

☆ اس سیمینار میں سرپرستی ورہ نمائی کے لیے صدر ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری بنفس نفیس شریک ہوئے۔ ان کے ساتھ ادارہ کے رفقاء واسکالرس کی متعدد نشستیں ہوئیں۔ آپ نے مفوضہ موضوعات کی پیش رفت معلوم کی، بعض مفید پہلوؤں کی جانب توجہ دلائی، علم وتحقیق کے میدان میں جدت وابتکار، عصری معنویت اور عام فہم اسلوب اختیار کرنے کی تلقین کی۔

☆ سیمینار کے موقع پر ادارہ کی لائبریری میں سیمینار کے موضوع کی مناسبت سے قرآن اور سائنس کی کتابوں کی نمائش لگائی گئی، ساتھ ہی ادارہ کی مطبوعات بھی نمائش کا حصہ بنیں۔ زائرین اس نمائش میں دلچسپی اور خوشی سے شریک ہوئے اور قرآن وسائنس پر مطبوعہ کتابوں کی جہات ومعیار کا معائنہ کیا۔

☆ ۱۵/جون کو پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی ادارہ میں تشریف لائے۔ انھوں نے اسکالرس سے مطالعہ، مفوضہ مقالات، اور دیگر علمی امور سے متعلق سوالات کیے اور ان سے کاموں کا جائزہ لیا۔

☆ ۱۵/جون ۲۰۲۲ء کو ادارہ کی مجلس منتظمہ مجلس وعام کا مشترکہ اجلاس دفتر صدر ادارہ نئی دہلی میں منعقد ہوا۔ اس میں ادارہ کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ سال کے لیے منصوبوں پر غور ہوا۔ اس ضمن میں ایک فیصلہ یہ ہوا ہے کہ ان شاء اللہ ادارہ جلد کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کرے گا اور مصنفین ادارہ کی کتابیں اب ادارہ خود شائع کرے گا۔

☆ ۳۰/جون کو ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی کی صدارت میں 'ہندو مذہب کے بنیادی مصادر: تعارف اور تجزیہ' کے مرکزی عنوان پر اسکالرس سیمینار منعقد ہوا۔ ادارہ کے اسکالرس نے وید، پران، منوسمرتی، بھگوت گیتا، مہا بھارت، رامائن اور اپنشد کا تعارف پیش کیا اور ہر مقالہ کے بعد سوال وجواب کا سیشن رہا۔ صدر مجلس نے اپنے صدارتی کلمات میں فرمایا کہ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوازم کے ساتھ دیگر ادیان کا مطالعہ کیا جائے، تاکہ معاشرے میں سماجی ہم آہنگی قائم رہے۔

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 41 No.3

July - September 2022

Editor

Syed Jalaluddin Omari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Nabi Nagar (Jamalpur)، P.O. Box: 93

ALIGARH - 202 002 (INDIA)

www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **The Consultative System in the Age of Rightly-Guided Caliphs**
Syed Jalaluddin Umari **5**

2. **Protection of Environment in Islamic Perspective** **23**
Mr. Abdul Mannan Chima

3. **Islam and the Thoughts of Mahatma Gandhi** **47**
Dr. Muhammad Usama

4. **Classical Political Thought of Islam and the Modern Works Concerned** **69**
Dr. Obaidullah Fahad Falahi

5. **Some English Translations of the Holy Qura'n Correcting Some Mistakes** **91**
Dr. Khurshid Ahmad Qadri

6. **Report of Seminar on Qura'n and science** **113**
Mr. Sadir Nadvi

7. **Book Review** **117**

Activities of Idara-e-Tahqee-o-Tasneef-e-Islami **120**

Abstract of the Articles

The Consultative System in the Age of Rightly-Guided Caliphs

Syed Jalaluddin Umari

President Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami, Aligarh

With the study of the age of the Rightly-Guided Caliphs, we learn that they used to make decisions in all matters only after consulting with their companions. Hazrat Abu Bakr would invite selected persons from Muhajireen and Ansars to consult with them. Hazrat Umar was his right hand. Hazrat Umar kept Hazrat Ali and Hazrat Abbas very close to him and consulted with them in important matters. This was also the practice of other Rightly-Guided Caliphs. In the later days, the consultative ambience of the Islamic government gradually got affected.

In the election of Rightly-Guided Caliphs too, opinionated Companions were consulted with. Only then the name of the Caliph used to be announced. Hazrat Abu Bakr was elected in a consultative meeting held in Saqifah Bani Sa'idah. He took a decision to name Hazrat Umar as Caliph to succeed him only after seeking consultation with the Companions. Hazrat Umar formed a committee of six Companions to elect the next Caliph from among them. Hazrat Ali was also elected Caliph with the consultation of the majority of Muhajireen and Ansar Companions.

This article deals with the importance of consultation practised in the age of the Rightly-Guided Caliphs.

Protection of Environment in Islamic Perspective

Mr. Abdul Mannan Chima
Research Scholar, Dept. of Islamic and Arabic Studies,
University of Sargodha,Sargodha, Pakistan
Email:*abdulmanan522@gmailcom*

Environmental crisis is a serious and global issue of the contemporary world. Development of modern science and technology has made life of human beings luxurious and comfortable. But on the other side, natural environmental system has been disturbed badly. The present condition of environment is a threat to life of human beings and other living beings. Transport, installation of industries without treatment plants, brick kilns and thermal power stations are main causes of environmental crisis. Research reports show that human beings are living at the risk of environmental pollution. A large number of human beings are suffering from diseases because of environmental pollution. Therefore, it is the need of the hour to address the alarming issue of pollution.

Islam can play an important role to solve the issue of environmental crisis. Cleanliness of environment is called part of Faith in Islam. According to modern science, trees can minimise air pollution while Islam inspires every Muslim to plant more and more trees. Islam condemns every kind of pollution (fasad) and offers precautionary measures to protect natural environment. Islam clearly commands each individual to avoid destructive actions. Deforestation and polluting air,

water and earth are prohibited in Islam. Man is responsible to protect environment of the earth.

This research work explores that environment can be protected by adopting Islamic environmental teachings.

Islam and the Thoughts of Mahatma Gandhi

Dr. Muhammad Usama
New Delhi
Email:usama9911@gmail,com

Mohandas Karamchand Gandhi (d.1948) was a great politician, socio-religious reformer, preacher of humanity and standard-bearer of national integration. On one hand he played a considerable role in the freedom movement while on the other he also tried to effect Hindu-Muslim unity. His thoughts and views, statements, speeches, and works bear evidence to it. He has also expressed his views on the various aspects of Islam. He was of the view that all religions are true; so, all should be respected. He used to say that Islam teaches tolerance towards other religions. He believed in God and bore a strong influence of the personality of Allah's Messenger (pbuh). He used to mention the Messenger with much respect and realise his greatness. He also realised the Qur'an as a revealed book. He studied the Qur'an with the help of different translations of it. He introduced Surah al-Fatiha in the prayer of his ashram. He declared the lives of Hazrat Abu Bakr and Hazrat Umar as exemplary and worth emulating.

This article makes an analytical study of Gandhiji's thoughts on Islam.

Classical Political Thought of Islam and the Modern Works Concerned

Dr.Obaidullah Fahad Falahi
Prof. & Ex-Chairman D/o Islamic Studies
Aligarh Muslim University Aligarh
Email:fahad.is@amu.ac.in

The writer, in the first part of the paper, has described in detail the salient features of Islamic political thought developed classically in history as: i) the intellectual diversity and dynamism, ii) continuation of global heritage, iii) idealism and its coping with realism, and iv) foundation of sociological studies. He has analysed critically the political thinkers like Abul Hasan Ash'ari, Qazi al-Numan, Abu Bakr al-Baqillani, Al-Juwayni, Al-Hilli, Ibn Taimiyah, Al-Mawardi, Al-Tusi, Al-Dawwni, Ibn Tiqtaqa, Ibn Khaldun,Shah Wali Allah,Ibn Sina,Al-Farabi, Ibn Thfayl, Ibn Bajjah, Ibn Rushd and others who have either elaborated the institution of Khilafah; emphasised the pragmatic politics; especially examined the socio-political factors responsible for change; or rationalised argumentatively in the light of Greek philosophy and thought.

The second part of the paper deals with the methodological problems the modern/western works on classical political thought of Islam inherit. The scholar has traced out the methodological incorrect foundations on which the construction of modern works is made, namely i) unity and universality in the cultural progress of the world, ii) generalisation and global application of the history of

Europe, iii) domination of Greek heritage, iv) concentration on the personalities as heroic characters, v) emphasis on the format and the title, vi) highlighting the juristic perspectives, and vii) concentration on the authority and power. The writer has stressed the urgent need to elaborate the classical political thought of Islam in its true perspective, keeping in view essentially the Qur'an and the Sunnah as the only parameter to examine.

Some English Translations of the Holy Qur'an Correcting Some Mistakes

Dr. Khurshid Ahmad Qadri
Asst. Professor, Dept. of Islamic Studies,
G.C. University, Lahore
Email:*khurshidahmadgcu@gmail.com*

Quarterly'Tahqeeqat-e-Islam' is a well-reputed research journal of 'Aligarh. The credibility and status of this Quarterly is above board. But in spite of all the attributes it has to its credit, there are two articles published in early 1990s which have some wrong information. The present article mentions- humbly - some of the facts which could not be quoted correctly by the worthy researchers: Dr. Abdul-Latif Azam and Syed Am?n-al-Hasan Rizvi.

'Abdullah Yusuf 'Ali had been an ICS officer and a servant of Islam. He wrote a translation and commentary of the Qur'an during 1934-37. It got great popularity throughout the world with more than 200 editions. Marmaduke William Pickthall was son of Mery O'Brien and Charles Grayson Pickthall. He was born on 7th April 1875. Pickthall's

acceptance of Islam was in 1917. His translation of the Holy Qur'an, 'The Meaning of the Glorious Qur'an has seen more than 150 editions up till now. Pickthall breathed his last on 19th May 1936 and was buried in Brookwood Cemetery, Surry, on 23rd May 1936.

This article corrects with references the above mentioned and some other quoted facts and figures.

BOOK REVIEW

1. *Awraq-e-Seerat* (Pages from the Seerah), Maulana Syed Jalaluddin Umari, Markazi Maktaba Islami Publishers, New Delhi, 2022, Pages:384,Price:IRs.425/-

Reviewed by Prof. Zafarul Islam Islahi

نئی مطبوعات

1 حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ قرآن مجید میں

محمد زین العابدین منصوری

ترجمہ ڈی۔عبدالکریم

اس میں قرآن مجید کی ان آیات کا ترجمہ نقل ہوا جو حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ سے متعلق ہیں۔ یہ کتاب اصلاً عیسائی بھائیوں کے استفادے کے لیے انگریزی میں لکھی گئی تھی۔ اب داعیان اسلام کے لیے اس کا اردو ترجمہ پیش ہے۔ اس کا مطالعہ ان لوگوں کے لیے یقیناً مفید ثابت ہوگا جو حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے متعلق سچائی جاننا چاہتے ہیں۔

سائز: 23X36/16 **صفحات:** 80 **قیمت:** 85.00

2 حلال کمائی اہمیت، آداب اور تقاضے

مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی

مال اللہ کی نعمت ہے۔ اس کے حصول کی کوشش ہونی چاہیے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ رضائے الٰہی اور جنت کے حصول کے لیے ہو۔ مصنف نے مال کی اہمیت، کسب مال، حرام مال کی قباحت اور تجارت کا شوق جیسے موضوعات پر قرآن وسنت کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔ امید ہے اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے گا۔

سائز: 23X36/16 **صفحات:** 88 **قیمت:** 90.00

3 روحانیت

محی الدین غازی

روحانیت کے کئی منازل مثلاً: روح کی طہارت، روح کی طاقت، روح کی فرحت اور روح کی خدا سے قربت جیسے عناوین پر قرآن وحدیث سے دلائل دیے گئے ہیں۔ کتاب پڑھ کر سمجھ میں آجائے گا کہ اصل روحانیت وہ ہے جس میں جسم اور روح دونوں کے تقاضوں کا صحیح ادراک کیا جائے اور دونوں کے درمیان کامل توازن رکھا جائے۔ اہل علم کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

سائز: 23X36/16 **صفحات:** 120 **قیمت:** 115.00

4 اسلام ایک فطری اور عقلی دین

احمد علی اختر

پیش نظر کتاب میں اسلام کا وسیع اور جامع تعارف موجود ہے۔ مصنف نے اس کی تعلیمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے حق میں دلائل بھی فراہم کیے ہیں۔ اس سے اسلام کی حقانیت اور صداقت واضح ہوتی ہے۔ انداز دعوتی اور تاثراتی ہے۔ دعوت کے میدان میں اس سے بہتر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

سائز: 23X36/16 **صفحات:** 96 **قیمت:** 100.00

آرڈر کے لیے رابطہ نمبر 7290092403 Mob: 7290092401, 7290092405

MMI PUBLISHERS مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025

Email: info@mmipublishers.net | mmipublishers@gmail.com | **Web:** www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81
July-September 2022

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-9412671962
+91-9897746586

مولانا سید جلال الدین عمری کی تالیفات

شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قرآن	۳۲۵/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۹۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/
۵	صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات	۲۵۰/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۱۴۰/
۷	معروف ومنکر	۱۸۵/
۸	اسلام کی دعوت	۲۲۵/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/
۱۱	تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں	۶۵/
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	۲۶۰/
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ (مجلد)	۱۳۰/
۱۴	عورت اور اسلام • مجلد ۱۱۰/ • عام	۶۰/
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	۱۰۵/
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۴۲/
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	۲۴/
۱۸	اسلام-ایک دین دعوت	۲۵/
۱۹	دعوت وتربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	۵۵/
۲۰	راہیں کھلتی ہیں • مجلد ۱۴۰/ • عام	۹۵/
۲۱	سبیل رب۔دعوت الی اللہ کا راستہ	۴۵/

شمار	نام کتاب	قیمت
۲۲	اوراقِ سیرت	۲۵۰/
۲۳	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۲۵	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	۴۵/
۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۴۵/
۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۶/
۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۶/
۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	۴۳/
۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۸/
۳۵	ملک وملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۳۶	یہ ملک کدھر جارہا ہے؟	۳۵/
۳۷	بچے اور اسلام	۱۴/
۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	۲۰/
۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۲۵/
۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۴/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵